پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی (مرحوم)

حیات و خدمات۔ ایک مطالعہ

مقالہ برائے

پی۔ ایچ۔ ڈی

مقالہ نگار

حافظ عبد الصمد

ریسرچ اسٹوڈنٹ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی

شعبہ اصول الدین۔ جامعہ کراچی

نگران مقالہ

پرفیسر ڈاکٹر حسام الدین منصوری

سابق صدر کلیہ معارف اسلامیہ

جامعہ کراچی

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ طالب علم حافظ عبد الصمد نے اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان

"پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ۔حیات وخدمات۔ایک مطالعہ "

میری زیر نگرانی مکمل کرلیاہے۔ان کا یہ تحقیقی و تخلیقی کام انتہائی کاوشوں سے مکمل ہوا ہے۔میں انہیں شعبہ اصول الدین، فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ کراچی کی پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے پیش کرنے کی اجازت دیتاہوں۔

تاریخ:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پروفیسر ڈاکٹر حسام الدین منصوری

سابق ڈین

فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ کراچی

انتساب

پی ایچ ڈی کا یہ مقالہ میں اپنے پیارے والد شیخ الحدیث مولانا آغا محمد اور اپنی پیاری والدہ کے نام سے منسوب کرتا ہوں۔ جن کی تعلیم وتربیت، رہنمائی، ہر قسم کے تعاون اور دعاؤں سے آج یہ انتھائی کٹھن خدمت اور کا کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوا۔

اللہ تعالی سے دعاہے کہ ایمان وصحت کے ساتھ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، اور تادیر مجھ پر ان کا سایہ شفقت قائم فرمائے۔ آمین

حافظ عبد الصمد

مقالہ نگار

اظہار تشکر

سب سے پہلے میں اللہ تعالی کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں، جس نے مجھے علم و فضل کی دولت سے نوازا اور یہ ہمت وتوفیق دی کہ میں اپنی تعلیم کے آخری مراحل کی اہم ڈگری پی ایچ ڈی کے مقالہ کو پایہ تکمیل تک پہنچا رہا ہوں۔

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کے مختلف مراحل میں جن اساتذہ کرام اور دوست احباب نے میری رہنمائی و مدد کی۔ ان جامعہ کراچی کے کے شعبہ اصول الدین، فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز کے اساتذہ کرام اور منتظمین شامل ہیں ، جنھوں نے مختلف مراحل میں نہ صرف میرے ساتھ تعاون کیا بلکہ وقتاً فوقتاً حوصلہ بھی دیتے رہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے میرے محسن و مشفق استاد پروفیسر ڈاکٹر حسام الدین منصوری نگران مقالہ، سابق ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ کراچی ہیں ، جنھوں نے عنوان کے انتخاب اور منظوری سے لے کر اس کی تکمیل تک کے مراحل میں اپنی شفقت و محبت کے زریعہ نہ صرف مجھے حوصلہ دیا، بلکہ پایہ تکمیل تک میری مکمل مدد ور ہنمائی کی ۔میں ان کا نہ صرف شکر گزار ہوں ،بلکہ ہمیشہ ان کے لیے میری خصوصی دعائیں ہیں ۔انتظامی امور میں محترم پروفیسر ڈاکٹر عبید احمد خان،چیئر مین شعبہ اسلامک لرننگ نے مدد کی اس کے علاوہ محترم ڈاکٹر سید عزیز الرحمن ،انچارج ریجنل دعوہ سینٹر ،دعوہ اکیڈمی ، کراچی اور محترم ڈاکٹر شہزاد چنا،اسسٹنٹ پروفیسر ریجنل دعوہ سینٹر ،دعوہ اکیڈمی، کراچی نے بھی موضوع کو پسند کیا اور وقتاً فوقتاً مفید مشورے دیتے رہے۔

مختلف کتابوں کی فراہمی کے حوالے سے برادر عبدالوحید مہر نے بھی بہت تعاون کیا، کمپوزنگ کے تمام مراحل میں برادر حمزہ خان گبول نے بھرپور تعاون کیا۔

میں ان تمام حضرات کا نہ صرف شکریہ ادا کرتا ہوں ، بلکہ سب کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور دنیا اور آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے۔ آمین۔

حافظ عبد الصمد

مقالہ نگار

مقدمہ

اسلام صرف دین ہی نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات بھی ہے۔ انسانیت کی فلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بطور مذہب پسند کیا۔ دین اسلام کی ترویج اور بنی نوع انسانی کی ہدایت ور ہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کو مبعوث فرمایا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ پر اختتام پذیر ہوا۔ ہر ایک نبی ور سول نے اللہ کی وحدانیت بیان کی اوراشاعت دین کے لیے اپنی زندگی وقف کی۔ انبیاء کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مال و جان اور خون پسینہ سے اسلام کی آبیاری کی اس کے بعد تابعین کی ایک جماعت نے یہ حق ادا کیا اوراسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہااوراسلام ہم تک اپنی اصلی حالت میں پہنچا، دور حاضر کے علماء ومشائخ اور مذہبی اسکالر اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ ان کی خدمات اسلام کی ترویج میں ایک اہم کر دار ادا کرتی ہیں۔ جدید و قدیم کے جس مجمع البحرین کی بابت ان صفحات کو وقف کیا جارہاہے، علم وعرفان کے آفتاب وماہتاب کو دنیا ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے۔ ان شخصیات کی علمی و عملی خدمات کا اعتراف کرنا اوران کا تذکرہ کرنا دراصل ترویج دین کا حصہ ہے۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے ذریعے دین اسلام کی حقانیت سے معاشرہ آگاہ ہوا ہے اور تاریخ بھی ان اقوام کو عزت سے ہمکنار کرتی ہے جو اپنے محسنوں کی خدمات کو اجاگر کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔

علمی و تاریخی شخصیات کے تذکرے دراصل علم وفن کی تاریخ کا ایک پہلو ہیں۔ ان کے متعلق منتشر معلومات کو یکجا کرنا ایک اہم علمی اور ملی خدمت ہے البتہ جذباتی وابستگی اورذہنی رجحان کے ساتھ وابستہ رہنے کے بجائے غیر جانبدارانہ اور خالص تحقیقی علمی انداز اختیار کرنا چاہیے، عقیدت مندانہ مدح سرائی اور مبالغہ آمیزی کی بجائے ان کے اصل واقعات، حالات زندگی اور خدمات کا تذکرہ ہونا چاہیے اور تحقیقی طریقہ کار کے ذریعے ان شخصیات کی زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر کیا جائے، بعض اوقات اہل علم حضرات بھی ان علمی و تاریخی شخصیات کی خدمات سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے کیونکہ ان کے بارے میں معلومات مختلف کتب ورسائل میں منتشر حالت میں درج ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی ایک عالم ربانی، صاحب نظر فقیہ، ماہر مفکر اسلام، شفیق مربی، محقق، صاحب نظر فلسفی ،جرات مند مدبر، صاحب طرز خطیب وانشاپرداز اور عظیم مترجم تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے علم حدیث، علم تفسیر،

فقہ و دیگر علوم کی مستند کتابوں کے حواشی و مفہوم اردو زبان میں لکھ کر مسلمانان پاکستان پر ایک عظیم احسان فرمایا۔ در حقیقت موجودہ حالات میں مسلمانوں کی مذہبی سیاسی، علمی اور سماجی اصلاح کا سہرا ڈاکٹر محمود احمد غازی کے سر ہے۔ آپ نے موجودہ دور کی مذہبی بے راہ روی کو روکنے اور علوم اسلامیہ کے احیاء کے لیے قلمی جدوجہد کی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کا شمار ان مستند اسکالرز میں ہوتا ہے جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ آپ کی بلندی اقبال کی ایک امتیازی وجہ یہ بھی ہے کہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم پر بھی آپ کو دسترس حاصل تھی۔ اور کسی گوشہ سے یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ آپ ایک روایتی دین سمجھنے والے انسان کی طرح ہیں۔ آپ قدیم وجدید میں مطابقت پیدا کرنے کے ساتھ ان کو ہم آہنگ بھی کرتے تھے اور زمانہ کے لحاظ سے پیچیدہ مسائل کا عام فہم انداز میں حل نکالتے تاکہ ایک عام آدمی کو بھی سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے اور یہی آپ کی مقبولیت کی ایک بہت بڑی وجہ بھی ہے۔

زیر نظر مقالہ میں ڈاکٹر محمود احمد غازی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی سعی کی جائے گی۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ان کی خدمات کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔ اس سے قبل جامعہ پنجاب، لاہور کے سکالرز نے ڈاکٹر غازیؒ کی زندگی کے چند پہلوؤں پر تحقیقی مقالات مرتب کیے، کچھ تحقیقی مجلات مثلاً معارف، الشریعہ اور اخبارات و جرائد نے خصوصی صفحات واشاعت میں آپ کی زندگی کے نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کیا جس میں بعض ایسے گوشے نظر آئے کہ جن سے آپ کے قریب رہنے والے بھی بے خبر تھے۔

الغرض ڈاکٹر محمود احمد غازی کی شخصیت گوناگوں اوصاف کی مرقع تھی، آپ کی علمی، دینی اور تبلیغی خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے راقم نے آپ کی شخصیت کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور دستیاب وسائل کو استعمال میں لاتے ہوئے ایک تحقیقی نوعیت کا کام پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ زیر نظر مقالہ کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابواب کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ:

باب اول:

اس باب میں مختصر موضوع کی اہمیت اور پھر اس باب کو دو اہم عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے عنوان میں نام، ولادت، علاقہ، سلسلہ نسب، خاندان کا تعارف، شادی، اولاد کا مختصر تعارف وغیرہ شامل ہیں۔

دوسرے مرکزی عنوان میں سیرت و کردار سے متعلق حلیہ مبارک، مقام و مرتبہ، تقویٰ ہمدردی

وسخاوت، احباب اور دیگر لوگوں سے تعلق، مزاج، مطالعہ کا شوق وعادت، نظم وضبط اور صبر وحوصلہ وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

باب دوم:

اس باب میں ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کی ابتدائی زندگی، تعلیم کا حصول ،اعلیٰ ثانوی تعلیم کا حصول، غازی صاحب نے جن اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے اور پھر غازی صاحب نے جن طلباء کو پڑھایا اور آپ کے شاگرد بنے اس باب میں زیر بحث آئیں گے۔

باب سوم:

اس باب میں ڈاکٹر صاحب کے مختلف حیثیتوں پر روشنی ڈالی جائے گی کہ آپ کی بحیثیت عالم وفقیہ (فقہ کی تعریف، ضرورت واہمیت، فقہ کے ماخذ وغیرہ) بحیثیت مدرس کہ آپ کا طریقہ تدریس، انداز تفہیم کیا تھا اور آپ اسباق کس انہماک سے پڑھاتے تھے۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر صاحب اپنی اعلیٰ ذہانت کی وجہ سے بحیثیت قانون دان بھی مانے جاتے تھے اور آپ نے بحیثیت قانون دان جو کارنامے سرانجام دیئے تھے اس پر مفصل بحث کی جائے گی۔

نظم وضبط زندگی کا اہم حصہ ہونے کے ساتھ مشکل ترین بھی ہے کہ آپ اپنی زندگی میں ایک نظم کے پابند ہوتے ہیں اگرچہ یہ مشکل امر ہے مگر پھر بھی ڈاکٹر غازی اس پہلو پر ہمہ وقت عمل کے پابند رہے اور آپ اپنی زندگی کے اسی نظم کے مطابق زندگی کے شب وروز گزارتے تھے۔

درس وتدریس کے ساتھ گہرا تعلق ہونے کی وجہ سے آپ ایک اعلیٰ ذہانت کے ماہر تعلیم بھی تھے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے پاکستان میں رائج نظام تعلیمپر کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا اور مخلصانہ تجاویز بھی پیش کی ہیں خصوصا دینی مدارس کے نظام تعلیم کے بارے میں آپ کی الگ اور منفرد رائے تھی جو اس عنوان میں تفصیل کے ساتھ درج کی جائے گی۔

باب چہارم:

ہر مسلمان پر دعوت وتبلیغ فرض ہے جس نے بھی کلمہ طیبہ پڑھا اس پر یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ اس کلمہ کی منہاج نبوی ﷺ کے مطابق تبلیغ کرے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اس فریضہ کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے دین

اسلام کی دعوت و تبلیغ میں مکمل فعال رہے اور ہر جگہ ہر مقام پر جہاد باللسان کرتے ہوئے دین اسلام کی حقانیت سے معاشرہ کو آگاہ کرتے رہے اس کے لیے آپ نے ملکوں کے سفر کیے اور پاکستان میں بھی ہر فورم میں دین اسلام اور تعلیمات اسلام کی ترویج واشاعت میں حصہ لیا۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی کی سرگرمیوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو آپ کی زندگی کئی قسم کی سرگرمیوں سے لبریز ہے لیکن اس باب میں ڈاکٹر غازی کی صرف تعلیمی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے جس میں تعلیمی خدمات، ڈاکٹر غازی کی تصنیفات تراجم اور پھر ڈاکٹر غازی کی خدمات پر ناقدانہ تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔

باب پنجم:

موت ہر انسان کو آنی ہے چاہے پہلے ہو یا بعد میں، ڈاکٹر غازی طویل مجاہدانہ زندگی گزارنے کے بعد جب اس دار فانی سے دار بقاء کی طرف کوچ کر گئے تو آپ کی زندگی پر مختلف شخصیات نے اپنی تاثرات کا اظہار کیا, ان میں اہل علم بھی ہیں، اہل صحافت بھی، اہل وعیال بھی، استاد بھی، شاگرد بھی۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر غازی کی زندگی کا ایک اور گوشہ خط وکتابت کا بھی ہے آپ نے مختلف اہل علم کو وقتاً فوقتاً خطوط و پیغامات ارسال کیے۔ اس کے علاوہ ایک مشہور اور نامور مفکر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطوط جو انہوں نے ڈاکٹر غازی کو ارسال کیے اوراخبارات ورسائل کے تعزیتی شذرے اس باب میں یکجا کیے گئے ہیں۔

مقالہ ھذا کے اختتام پر مقالہ کا خلاصہ، نتائج بحث اور دوران تحقیق جن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے وہ درج کی گئی ہیں۔

مقالہ نگار: حافظ عبد الصمد

اصول الدین۔ جامعہ کراچی

باب اول

حالات زندگی

حالات زندگی

کوئی بھی انسان جب اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بچہ بڑھا ہو کر کیا بنے گا۔ کیا کارنامہ سرانجام دے گا۔ کس طرح شہرت اور مقبولیت کی بلندیوں کو چھوئے گا۔

اس لیے ہر بچہ فطری طور پر پیدا ہونے کے بعد ماں باپ کی اولین خواہش کے مطابق اس کی تعلیم و تربیت کے لیے سرگرداں ہوتے ہیں اور ان کی نظر میں یہ مقصد پوشیدہ ہوتا ہے کہ ہمارا بیٹا دنیا کے مختلف حالات میں کہیں گم ہو کر نہ رہ جائے بلکہ اپنی زندگی گزارنے کے لیے اس کے پاس کوئی چراغ ہو اور وہ اس چراغ سے روشنی حاصل کرتے ہوئے زندگی کے مختلف اور مشکل حالات کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے معاشرے میں اپنا مقام حاصل کرے۔

اس دوران کوئی بچہ بڑھا ہو کر علم کے نور سے منور ہو جاتا ہے اور کوئی ابتدا میں یا درمیان میں اس نور سے محروم ہو جاتا ہے۔ جو اس کی زندگی میں اس کے لیے عذاب سے کم نہیں ہوتا۔

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ بڑا اچھا انسان بنے اس کی دنیا میں عزت ہو، حیثیت ہو، مقام ہو مگر کچھ تو معاشرے کی نظر ہو جاتے ہیں اور کچھ جہد مسلسل کے بعد وہ مقام پا لیتے ہیں ان میں ایک نام ڈاکٹر محمود احمد غازی کا ہے۔

ڈاکٹر غازی جس دور میں پیدا ہوئے وہ آج ہی کا دور ہے کوئی قدیم زمانہ نہیں تھا مگر پھر بھی رواداری اور تحمل مزاجی جیسی اخلاقی اقدار تقریباً ناپید ہیں، تعصب، تنگ نظری اور کوتاہ فکری عروج پر ہے، مذہبی لحاظ سے ایک دوسرے کی روائے کو برداشت کرنے کا تصور ختم ہو چکا ہے، لیکن ایسے حالات میں ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ امتیازی اوصاف کے حامل تھے، اعتدال پسندی اور رواداری خصوصی طور پر آپ کی شخصیت کا حصہ تھی، مسلکی اعتبار سے یقیناً آپ ایک مسلک کے پیروکار تھے، مگر دوسرے مسالک کے بارے میں منفی رائے نہیں رکھتے تھے، اختلاف رائے کو مذہب کا حصہ قرار دیتے، لیکن اختلاف برائے اختلاف یا تنقید برائے تنقید کے اصول سے کوسوں دور تھے، فروعی مسائل پر لاحاصل بحث سے گریز کرتے اور ایسی محفلوں میں شرکت سے اجتناب کرتے تھے۔ دراصل ڈاکٹر غازی کی شخصیت ہمہ جہت اور ہمہ گیر تھی۔ آپ ہر وقت اسلام اور مسلمانانِ عالم کے لیے بے چین رہتے تھے۔ آپ کی زندگی

کا ایک ہی مقصد تھا کہ دین اسلام کو اس کی حقیقی تعلیمات کے مطابق سمجھنے کے بعد اس کی اشاعت کو طریقہ نبوی کے مطابق عام کیا جائے۔

ڈاکٹر غازی کبھی بھی جذبات کی رو میں بہنے کے بجائے حقیقت پسندانہ سوچ کے مالک تھے ان کی نظر میں جذبات وقتی ہوتے ہیں اور ایک مسلمان کی جذبات میں آکر کوئی غلطی سے نہ صرف اسلام بلکہ اسلامی تعلیمات پر دھند چھا جاتی ہے۔

اس لیے ڈاکٹر غازی ہمیشہ افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال پسندانہ رویہ اختیار کرتے تھے اور یہی آپ کی مقبولیت کی بہت بڑی وجہ بھی ہے۔ الغرض اس باب میں ڈاکٹر غازی کی ابتدائی سوانح حیات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

اسم گرامی:

محمود احمد غازی بن حافظ محمد احمد فاروقی

ولادت:

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۰ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد پاکستانی ہائی کمیشن دہلی میں تعینات تھے۔ چونکہ کسی ملک کا سفارت خانہ اس ملک کی سرزمین ہی تصور ہوتا ہے۔ لہذا ڈاکٹر غازی تفاخر سے کہا کرتے تھے کہ میں خالص پاکستانی سرزمین میں پیدا ہوا ہوں۔[1] بعض مصنفین نے آپ کی جائے پیدائش کراچی لکھی ہے۔[2] جو کہ درست نہیں ہے۔ اسی طرح بعض تحریروں میں آپ کا سن ولادت ۱۹۴۸ء لکھا گیا ہے[3]، انڈیا کے ایک اخبار کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش ۱۳ ستمبر ۱۹۵۰ء ہے[4] لیکن ایسا نہیں ہے۔ بعض محققین نے آپ کی جائے پیدائش رائے بریلی، اترپردیش، انڈیا تحریری ہے جب کہ آپ کی خاندانی معلومات کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش ۱۸ ستمبر ۱۹۵۰ء نئی دہلی ہے۔ الغرض ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی ولادت ۱۹۵۰ء میں ہوئی۔ والدہ محترمہ کا تعلق مشہور و معروف صدیقی خاندان سے ہے۔[5]

سلسلۂ نسب:

ڈاکٹر محمود احمد غازی کا سلسلۂ نسب والد کی جانب سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، جب کہ والدہ کی جانب سے آپ کے نسب کے رشتے امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتے

ہیں،اس طرح بیک وقت آپ صدیقی بھی ہیں اور فاروقی بھی،اور حسب ونسب دونوں فضیلتوں کی بنا پر آپ نجیب الطرفین ہیں

پورا شجرہ نسب حسب ذیل ہے:

محمود احمد بن محمد احمد بن ظریف احمد بن عبد اللہ فاروقی۔

ڈاکٹر غازی کا تعلق ٹھیٹھ مذہبی خاندان سے تھا۔ خاندانی روایات کے بارے میں آپ کے بھائی ڈاکٹر الغزالی نے بتایا کہ قرآن حفظ کرنا ہماری خاندانی روایت ہے۔ خاندان کے تمام مرد افراد پر قرآن پاک حفظ کرنا لازمی تصور کیا جاتا ہے،ڈاکٹر الغزالی کے بیٹے سے لے کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ہر شخص حافظ قرآن ہے۔ آپ کے چچا، تایا اور کزن سب نے حفظ کی سعادت حاصل کی،والد اور والدہ دونوں کو مذہبی ماحول وراثت میں ملا تبلیغی جماعت کے بزرگ حضرت مولانا الیاسؒ اور شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ آپ کی والدہ کے پھوپھا تھے۔[6]

خاندان کا پس منظر:

ڈاکٹر محمود احمد غازی کا اصلی وطن اور خاندانی سلسلہ تھانہ بھون کے ممتاز خاندان سے ہے۔ بچپن کا زیادہ عرصہ کاندھلہ میں ہی گزارا کیونکہ آپ کی والدہ کاندھلہ کے معروف صدیقی خاندان سے تھیں۔ڈاکٹر موصوف کے نانا قمر الحسن پیشہ کے لحاظ سے حکیم تھے۔ کاندھلہ کے اس خاندان کے جد امجد مولوی رؤف الحسن کاندھلوی تھے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحیٰی اور حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے حقیقی ماموں تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔

مولوی رؤف الحسن(وفات ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء)بن مولانا ضیاء الحسن صادق(م ۱۳۵۰ھ -۱۸۹۸ء)بن مولانا نور الحسن (۱۲۸۵ ھ ۱۸۶۸ء)بن مولانا ابو الحسن (م ۱۲۶۱ ھ ۱۸۵۳ء) بن حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی(م ۱۲۴۵ھ۔۱۸۲۹ء)رحمھم اللہ

مولوی رؤف الحسن کے پانچ فرزند ہوئے۔

۱۔ مولانا حکیم نجم الحسن　　۲۔ مولانا احتشام الحق　　۳۔ مولوی حکیم قمر الحسن

۴۔ مولانا اظہار الحسن　　۵۔ حضرت مولانا اظہار الحسن

اور تین دختر۔

۱۔ جویریہ خاتون، زوجہ مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی۔

۲۔ امۃ الدیان، زوجہ مولوی ظہر الحسن کاندھلوی۔

۳۔ امۃ المتین، زوجہ اولیٰ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی۔

حکیم قمر الحسن کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی کی شادی تھانہ بھون کے فاروقی خاندان میں مولانا محمد احمد تھانوی سے ہوئی۔ یہی ڈاکٹر غازی کی والدہ ماجدہ ہیں۔ دوسری بہن کا نکاح کاندھلہ کے ایک فاضل ،مولوی حکیم خلیق الرحمن صاحب سے ہوا۔ وہ بھی ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستاب چلے گئے تھے۔ سنجھورو سندھ میں رہے ۔ آخر میں سکھر آ گئے تھے، ان کے اہل خانہ وہیں ہیں[7]

ڈاکٹر غازی کل تین بہن بھائی تھے برادر اصغر محمد الغزالی ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد میں بطور پروفیسر رہے ہیں۔ آپ بھی مختلف کتابوں کے مصنف ہیں۔ محترمہ عذرا نسیم فاروقی صاحبہ آپ کی چھوٹی بہن ہیں۔ رسمی طور پر کسی ادارہ سے تعلیم حاصل نہ کی، والد محترم سے قرآن پڑھا اور چالیس سال کی عمر میں اپنی مدد آپ کے تحت قرآن پاک حفظ کر لیا۔ اردو، عربی اور انگریزی زبان میں بھی مہارت پیدا کی۔ کئی تحقیقی مضامین لکھے۔ ڈاکٹر غازی کے معروف محاضرات کی محرک آپ کی بہن تھیں۔ ۴۵ سال کی عمر میں ۲۰۰۴ء کو وفات پائی۔[8]

اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے خاندان کی جن ممتاز شخصیات کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا محمد علی کاندھلوی اور مولانا محمد مالک شامل ہیں خاندان کی ارادت و بیعت مولانا اشرف علی تھانوی سے تھی۔[9]

شادی:

شادی یعنی نکاح تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ماسوائے چند کہ سنت رہا ہے اور یہ اس کائنات کے دوام وبقا کا فطری طریقہ ہے۔ کیونکہ جائز اور مستحسن طریقے سے نسل انسانی کی پیداوار اس رسم سے جڑی ہوئی ہے۔

جس طرح انسان زندگی کو چلانے اور باقی رکھنے کے لیے خوراک کا سہارا لیتا ہے اس طرح انسان میں خالق کائنات کی طرف سے ایک اور فطری جنسی خواہش رکھی ہے جس کو وہ نکاح مسنون کے ذریعے پورا کرتا ہے ,

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے عائلی زندگی میں قدم رکھتے ہوئے محبوب کائنات ﷺ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے ۱۵ ،اپریل ۱۹۸۰ میں محترمہ سیدہ حامدہ جو ممتاز عالم اور ادیب محترم صدرالدین عامر انصاری رحمہ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھی، کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔

اولاد کا مختصر تعارف:

ڈاکٹر غازی ۱۵، اپریل ۱۹۸۰ کو رشتۂ ازداج میں منسلک ہوئے جس سے آپ کی پانچ صاحبزادیاں ہوئیں۔

۱۔ سیدہ نائلہ غازی: جن کی شادی محمد ہشام سے ہوئی جو میزان بینک کے مینجر ہیں۔

۲۔ سیدہ ماریہ غازی: آپ ابو بکر صدیقی کے نکاح میں آئیں جو پاکستانی فوج میں افسر ہیں۔

۳۔ سیدہ رملہ غازی: آپ کی شادی ڈاکٹر وقاص امین فاروقی سے ہوئی جو آسٹریلیا میں مقیم ہیں۔

۴۔ سیدہ حفصہ غازی: اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد میں، اصول دین کی طالبہ رہی ہیں۔

۵۔ سیدہ ھالہ غازی: اسلامی یونیورسٹی کے ادارہ اقتصادِ اسلامی میں طالبہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد نرینہ عطا نہ کی اس لحاظ سے آپ کی نسبت حضرت لوط علیہ السلام و حضرت شعیب علیہ السلام سے ملتی ہے۔[10]

اگرچہ ڈاکٹر محمود احمد غازی کو زندگی میں نرینہ اولاد کی غم شدت سے محسوس ہوئی لیکن آپ نے کبھی اس سلسلے میں زبان سے کوئی شکوہ و شکایت کا اظہار نہیں کیا اور اللہ کی رضا پر راضی رہے۔

آپ کا یہ طریقہ نرینہ اولاد سے محروم جوڑے کے لیے بھی بہت بڑا سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی دے کر آزماتا ہے اور کبھی محروم کر کے آزماتا ہے لیکن کامیاب انسان وہ ہے جو ان دونوں حالتوں میں صبر و شکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے۔

ڈاکٹر غازی نے نرینہ اولاد نہ ہونے کے باوجود بیٹیوں کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور بیٹیوں کو خداوند کا انعام سمجھتے ہوئے ہمیشہ ان کی بہترین نگہداشت اور پرورش کی۔ اس لیے بیٹیوں کو رحمت سمجھتے ہوئے ان کی اسی طرح تربیت کرنی چاہیے جیسے بیٹے کی کی جاتی ہے۔

سیرت وکردار:

اللہ تعالی نے ڈاکٹر غازی رحمۃ اللہ علیہ کے اندر بے شمار اور ہمہ قسم خوبیاں رکھی تھیں ۔ ان کے اخلاق وعادات اللہ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اور صبغۃ اللہ و من احسن من اللہ صبغۃ کا عملی نمونہ تھے۔ اپنے تمام تر علمی مقام ومرتبہ اور فقہی فہم وفراست کے باوجود تکلف وتصنع سے پاک تھے۔ تواضع وانکساری ان کی شخصیت میں کھوٹ کھوٹ کر بھری ہوئی تھی، اکثر وبیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان من تواضع للہ رفعہ اللہ کا حوالہ دیتے تھے۔

جہد مسلسل:

ڈاکٹر صاحب کی زندگی جہد مسلسل کا پیکر تھی، وقت کی اہمیت سے خوب آشنا تھے۔ آپ ان چند گنے چنے لوگوں میں سے تھے جنھوں نے اپنی زندگی کے ہر لمحے کو قیمتی متاع کے طور پر استعمال کیا۔ اللہ تعالی نے انہیں بے مثال ذہنی صلاحیت اور حیرت میں ڈال دینے والی سمجھ عطا فرمائی تھی کہ مشکل سے مشکل سوالات کے فی البدیہہ اور تسلی بخش جواب دیا کرتے تھے۔ اپنے زمانے کے پیچیدہ گتھیوں کا نہ صرف ادراک رکھتے تھے بلکہ فکر وفلسفہ اور قانون کے پیچیدہ مسائل کو چٹکیوں میں حل فرماتے تھے۔ وقت کے چیلنجوں سے دامن بچانے اور پہلو تہی کرنے کے بجائے ان میں کودنا اور ان کا مقابلہ کرنا ان کے مزاج حصہ تھا۔ اکثر وبیشتر اپنی اس فکر مندی کا اظہار کرتے رہتے تھے کی مسلمانوں کو فی زمانہ جن چیلنجز کا سامنا ہے ان سے نبرد آزماہونے والے مفکرین اس کثرت کے ساتھ نہیں پائے جاتے۔

مقام ومرتبہ:

ڈاکٹر محمود احمد غازی علم ومعرفت کی دنیا میں ہمہ جہت شخصیت تھے۔ اصحاب علم ودانش آپ کو ایک جید عالم دین، مفسر، سیرت نگار، مایہ ناز معلم، مصنف عربی، فارسی اور انگریزی زبان کے ماہر کی حیثیت سے جانتے ہیں اور یہ مبالغہ آرائی نہیں، حقیقت ہے کہ ڈاکٹر صاحب علم ومعرفت کے آسمان پر بدر منیر بن کے چمکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں علمی وعملی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ان کی ان صلاحیتوں کے پس منظر میں ایک قوت کارفرما تھی۔ جس کو قرآن کی زبان میں تقویٰ کہاجاتاہے اور جس میں جس قدر تقویٰ کاجوہر نمایاں ہو گا، اتناہیاللہ تعالیٰ اسے علم ومعرفت کی دولت سے سرفراز فرمائیں گے۔ فرمان الٰہی ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ [11]

"اللہ سے ڈرو، اللہ تمہیں علم عطا فرمائے گا۔"

نماز دین اسلام کے ستونوں میں ایک اہم ستون ہے۔ دین اسلام نے ہر مسلمان پر خالق کی بندگی کے لیے پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ قرآن حکیم نے جابجا نماز کی تلقین کے ساتھ حکم دیتے ہوئے اس فریضے کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمان سے مرنے کے بعد روز آخرت نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا جس کی نماز پوری ہوگی وہ کامیاب اور جس کی ناقص وہ عذاب الٰہی کا شکار ہوگا اس لیے قرآن مجید میں تقویٰ اختیار کرنے کی پہلی سیڑھی ایمان بالغیب اور پھر نماز کو قرار دیا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ [12]

"یعنی وہ نماز قائم کرتے ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب نماز باجماعت کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ ۱۹۸۵ء میں وزارت مذہبی امور ،اسلام آباد کے زیر اہتمام کمیونٹی سینٹر اسلام آباد میں ایک نمائش "بسلسلہ کتب سیرت" کا انعقاد ہوا اور وطن عزیز کی بڑی بڑی لائبریریوں سے کتب سیرت کو نمائش میں رکھا گیا۔ یونیورسٹی کی جانب سے جو لوگ خدمت پر مامور تھے، ان میں چند حضرات کے علاوہ میں (راقم الحروف) اور ڈاکٹر غازی بھی شریک تھے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ ایسے مواقع پر بروقت نماز ادا کرنے کی پابندی نہیں کرتے لیکن میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب کسی بھی نماز میں اپنی مصروفیات کے باوجود تاخیر نہیں کرتے تھے اور جب نماز ادا کرتے تو اس میں خشوع و خضوع کا خاص خیال رکھتے اور جونہی اذان ہوتی تو آپ کی توجہ مسجد اور نماز کی جانب مبذول ہو جاتی۔ یہ بہت بڑی سعادت اور کامیابی کی دلیل ہے۔

وفات

جس شب آپ کو دل کا دورہ پڑا، اس رات کو بھی آپ نے نماز عشاء باجماعت ادا کی۔ رات ڈیڑھ بجے جب سینے میں درد محسوس ہونے لگا تو آپ کے بھائی ڈاکٹر محمد الغزالی آپ کو پمز ہسپتال اسلام آباد لے گئے اور صبح تک علاج معالجہ کی غرض سے ہسپتال میں رہے۔ جب صبح کی اذان ہوئی تو اپنے بھتیجے حمزہ غزالی سے کہا کہ مجھے

وضو کرنا ہے۔ آپ کے فرمانبر دار بھتیجے نے آپ کو چارپائی پر ہی وضو کروایا۔ اسی دوران اپنی اہلیہ سے کہا کہ: پاؤں کی ایڑھیاں صحیح طریقے سے دھوئیں۔ آپ نے چارپائی پر ہی صبح کی نماز ادا کی جو کہ آپ کی زندگی کی آخری نماز تھی۔ نماز کے بعد جب درد دل بڑھنے لگا تو آپ کے بھائی نے کہا: مولانا تھانویؒ نے دل کے درد کے لیے جو دعا لکھی ہے، آپ کو یاد ہے؟ فرمایا: وہی دعا پڑھ رہا ہوں۔ وہ دعا یہ ہے:

اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ط لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط اِنَّه عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝[13]

ڈاکٹر صاحب اس آیت کریمہ کا ورد کرتے ہوئے خالق حقیقی سے جاملے۔ آپ نے چونکہ ساری عمر نماز اور وظائف کی ادائیگی میں بسر کی، موت بھی آئی تو نماز کے بعد اور آیت کریمہ کی تلاوت کرتے ہوئے۔ سچ فرمایا اللہ کے آخری رسول ﷺ نے کہ جس طرح زندگی گزاروگے، اسی طرح موت آئے گی اور جس طرح موت آئے گی ، قیامت کو اسی حال میں اٹھائے جاؤ گے۔

ڈاکٹر صاحب کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ عرصہ پانچ سال تک فیصل مسجد کے خطیب رہے اور جنرل ضیاء الحق کی نماز جنازہ بھی آپ ہی نے پڑھائی اور مختلف اسلامی ممالک سے آنے والے نمائندوں اور ہزاروں پاکستانیوں نے آپ کی امامت میں نماز ادا کی۔

قرآن مجید کی تلاوت:

آپ قرآن کی تلاوت کا بہت اہتمام کرتے تھے یہاں تک کہ دوران سفر جب جہاز یا گاڑی میں بیٹھتے تو قرآن کی تلاوت شروع کر دیتے۔ آپ کے بیگ میں ہمیشہ قرآن مجید کا نسخہ موجود ہوتا تھا۔ آپ کی قرآن سے وابستگی کے بارے میں آپ کی مایہ ناز کتاب "محاضرات قرآنی" واضح ثبوت ہے۔

محبت رسول ﷺ:

متقین کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت کے بعد سب سے زیادہ جناب رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت اور رسول کی محبت کو اللہ محبت تصور کرتے ہیں ۔ ڈاکٹر غازی اپنے اقوال، اعمال اور اخلاق میں محبت رسول ﷺ کو دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔

احترام رمضان:

رمضان المبارک کا بہت احترام اورروزے کا پابندی سے اہتمام فرماتے اورماہ رمضان میں گھر پر قرآن شریف سناتے تھے۔ ایک دفعہ ماہ رمضان میں، میں نے پوچھاڈاکٹر صاحب! روزے کیسے جارہے ہیں ؟کہنے لگے، اللہ کا کرم ہے، بہت اچھے جارہے ہیں۔ میں نے دوبارہ سوال کیاکہ منزل سنارہے ہیں ؟تو کہنے لگے:" مجھ جیسے نالائقوں کا کیاسناناہے" یہ کہہ کر کچھ آبدیدہ سے ہوگئے جو کہ ان کی رقت قلبی اور جذبہ ایمانی کی دلیل ہے۔) بس گزارہ ہوجاتاہے، منزل تراویح میں سنادیتاہوں۔" اس واقعہ سے رمضان کے احترام، خشیت الٰہی اوررات کے قیام کا آپ خود اندازہ لگاسکتے ہیں۔

حج کی ادائیگی:

ڈاکٹر صاحب مرحوم کو حرمین شریفین سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ نے متعدد عمرے اورنوحج اداکیے۔ قارئین کرام یہ پڑھ کر حیران ہوں گے کہ ڈاکٹر صاحب کو بانی پاکستان اور مفکر پاکستان سے اس قدر محبت تھی کہ آپ نے ایک حج قائداعظم محمد علی جناحؒ کی طرف سے اورایک حج علامہ محمد اقبالؒ کی طرف سے اداکیااورمیرے علم کے مطابق یہ شرف صرف اور صرف ڈاکٹر صاحب ہی کو حاصل ہے۔

گیس ضائع نہ کریں:

ڈاکٹر صاحب کے ایک شاگرد جو کہ اب خود بھی ماشاء اللہ ڈاکٹر ہیں یعنی ڈاکٹر شیخ تنویر احمد(اسسٹنٹ پروفیسر، اسلامک یونیورسٹی)ایک دن ڈاکٹر صاحب کے تقویٰ کاایک واقعہ سناتے ہوئے کہنے لگے کہ:

"ڈاکٹر غازی کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ آپ نے کلاس روم میں سوئی گیس کے ہیٹر کاپائلٹ جلتاہوادیکھاتوکہنے لگے، اگر ضرورت نہیں ہے تو پائلٹ بند کر دیاجائے۔یہ قومی ملکیت ہے اور گیس ضائع ہورہی ہے۔ آپ خود اٹھے اورپائلٹ بند کر دیا۔"

غصہ کی حالت میں وضو:

ڈاکٹر صاحب کے پی اے عابد علی (جودفتری معاملات میں آپ کی معاونت کرتے) کا کہناہے کہ اگر کسی معاملے میں ڈاکٹر صاحب کو غصہ آجاتاتو جوابی کاروائی کرنے کی بجائے آپ فوراًوضو کرنے لگتے اور تھوڑی ہی دیر بعد

طبیعت میں بشاشت پلٹ آتی۔ علاوہ ازیں آپ دفتری اوقات میں بھی ہمیشہ باوضو رہتے اور اگر کوئی آپ کے سامنے آپ کی تعریف کرتا تو انتہائی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے۔

مستقل مزاجی:

جب انسان شہرت کی بلندیوں کو پالیتا ہے اور عند اللہ مقبول ہو جاتا ہے تو کچھ لوگ اپنے مفاد کے لیے اور کچھ مفاد عامہ کے لیے اس فرید کو خریدنے اور طرح طرح کی پیشکش کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی خداداد صلاحیتوں کو بھانپ کر بہت سے لوگوں نے آپ کو خریدنا چاہا مگر آپ نے ہر پیش کش کو ٹھکرا دیا اور قرآن حکیم کی اس آیت کی عملی تصویر بنے رہے۔ فرمان الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔[14]

ترجمہ: "بے شک وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ڈٹ گئے۔"

کا دامن مضبوطی سے تھام لیا کہ بادِ مخالف کے تند و تیز جھونکے آپ کے پائے استقامت کو متزلزل نہ کر سکے اور "قل آمنت باللہ ثم استقم" کا عملی نمونہ پیش کیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر کی ایک علمی تقریر سے جس کا عنوان "اسلام اور مغرب تعلقات" ہے، ان کی استقامت کا ایک قابل تقلید واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ آپ نے دوران تقریر میں کہا:

"اکتوبر ۱۹۷۴ء میں ایک پروفیسر صاحب امریکہ سے تشریف لائے۔ وہ ایک مشہور امریکن یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ انہوں نے پاکستان کے مختلف اداروں کا دورہ کیا۔ وہ ادارہ تحقیقات اسلامی میں بھی آئے۔ میں اس زمانے میں ادارہ تحقیقات اسلامی میں کام کرتا تھا۔ نوجوان تھا، مدرسے کی تعلیم سے فارغ ہو چکا تھا۔ عربی اچھی جانتا تھا، انگریزی سے بھی شدبد ہو گئی تھی۔ تھوڑی بہت فرنچ بھی میں نے سیکھ لی تھی۔ وہ پروفیسر صاحب بہت لوگوں سے ملے، مجھ سے بھی ملے۔ مجھ سے ملنے کے بعد انہوں نے کہا کہ میں الگ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں، تم مجھ سے ملنے کے لیے آؤ۔ میں ان سے ملنے چلا گیا۔ دوران ملاقات انہوں نے کہا، میں تمہیں اسکالرشپ دینا چاہتا ہوں امریکہ میں پی ایچ ڈی کرنے کے لیے۔ تم امریکہ کی جس یونیورسٹی میں چاہو، میں تمہیں اسکالرشپ دے سکتا ہوں۔ میں نے سنا ہوا تھا کہ ہارورڈ صف اول کی یونیورسٹی ہے اور ایم آئی ٹی ہے اور پرسٹن ہے، تین یونیورسٹیوں کا

بڑا چرچا تھا، اس لیے میں نے ان کا نام سنا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ مجھے ہارورڈ میں داخلہ دلوادیں۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے: میں تمہیں ہارورڈ میں داخلہ دلوادوں گا۔ کام یہ ہو گا کہ تم ایک سال کے لیے امریکہ آؤ، ہارورڈ یونیورسٹی میں کورس ورک کرو، پھر میرے پاس آؤ۔ تین مہینے میرے پاس کورس ورک کرو، پھر واپس پاکستان آجاؤ۔ انہوں نے جو نقد وظیفہ بتایا وہ اتنا تھا جتنا اس وقت حکومت پاکستان کے سیکرٹری کو بھی تنخواہ نہیں ملتی تھی، کسی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو بھی نہیں ملتی۔ پاکستان میں رہ کر یہ وظیفہ ملنا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ کام یہ ہو گا کہ پاکستان میں رہ کر یہ معلومات جمع کرو کہ پاکستان میں دینی مدارس کیا کام کرتے ہیں، کتنے دینی مدارس ہیں؟ کون کون علمائے کرام ان کو چلارہے ہیں، وہ کیا کیا پڑھاتے ہیں، کیا ذہن بناتے ہیں؟ اور جو لوگ ان سے تیار ہوتے ہیں، وہ بعد میں کیا کام کرتے ہیں اور ان کا رویہ مغرب کے بارے میں کیسا ہوتا ہے؟ یہ ساری معلومات جمع کر کے آؤ، پھر میرے ساتھ بیٹھ کر اس کو مرتب کرو، اس کی بنیاد پر تمہیں ہارورڈ یونیورسٹی پی ایچ ڈی کی ڈگری دے دے گی۔ سچی بات ہے، میں اللہ تعالیٰ کی تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت یہ لگا کہ یہ تو صاف صاف جاسوسی کا کام ہے۔ دوران گفتگو پروفیسر صاحب نے یہ بھی کہا کہ اس طرح کا ایک پروجیکٹ مصر کے لیے ہے، ایک بنگلہ دیش اور انڈونیشیا کے لیے ہے۔ اب یہ چار بڑے ملک جو آبادی کے لحاظ سے صف اول کے ممالک تھے، جہاں دینی تعلیم کا پرائیویٹ نظام بڑا غیر معمولی تھا، وہاں کے لیے یہ کیوں تحقیق ہورہی تھی؟ اس پر لاکھوں روپے کے یہ مصارف کیوں کرائے جارہے تھے؟ میں نے کوئی ذاتی عذر بیان کر کے معذرت کرلی کہ میں سر دست امریکا نہیں جاسکتا، لیکن اس وقت میں جب بھی اس نوعیت کے مختلف معاملات کو دیکھتا رہتا ہوں تو مجھے یہ لگتا ہے کہ مغربی دنیا کم از کم ۱۹۷۴ء سے اس نکتہ پر سوچ رہی تھی کہ دنیائے اسلام میں دینی تعلیم کا مستقبل کیا ہے، ماضی کیا تھا اور حال کیا ہے؟ اب پچھلے آٹھ دس سال سے اس میں زیادہ شدت آگئی ہے۔"[15]

حوالہ جات باب اول

[1] ۔روزنامہ جہاد، پشاور، ۳۱ جنوری ۲۰۱۱ء

[2] ۔روزنامہ اسلام، کراچی، ۲۸ ستمبر ۲۰۱۰ء

[3] ۔روزنامہ دعوت، نئی دہلی، یکم اکتوبر ۲۰۱۰ء

[4] ۔روزنامہ جدید خبر، نئی دہلی، ۲۷ ستمبر ۲۰۱۰ء

[5] ۔پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ، شخصیت اور خدمات۔ڈاکٹر علی اصغر چشتی ص ۲، خصوصی اشاعت معارف اسلامی، جنوری ۲۰۱۱ء

[6] ۔روزنامہ جہاد، پشاور، ۳۱ جنوری ۲۰۱۱ء

[7] ۔ماہنامہ الشریعہ، جنوری فروری۔۲۰۱۱ء، ص ۴۰

[8] ۔ششماہی معارف اسلامی، جنوری تا جون ۲۰۱۱ء، ص ۳۹

[9] ۔ماہنامہ الشریعہ، جنوری فروری۔۲۰۱۱ء، ص ۴۰

[10] ۔القرآن، سورۃ البقرۃ، آیت ۲۸۲

[11] ۔ششماہیمعارف اسلامی، جنوری تا جون ۲۰۱۱ء، ص ۳۱۴

[12] ۔القرآن، سورۃ آل عمران، آیت ۳

[13] ۔القرآن، سورۃ انفال، آیت ۶۳

[14] ۔القرآن، سورۃ حم السجدۃ، آیت ۳۰

[15] ۔غازی، ڈاکٹر، محمود احمد، اسلام اور مغرب تعلقات، ص ۳۱، ۳۲، ۳۰، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۰۹ء

باب دوم

تعلیم و تعلم

تعلیم و تعلم

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور عطا کر کے تمام حیوانات سے ممتاز کیا ہے اور یہ امتیاز انسان کو اللہ رب العزت کی طرف بذریعہ علم عطا کیا ہے کیونکہ علم انسان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی اور گمراہی سے نکال کر ہدایت کی طرف لے جاتا ہے اس لیے علم کی فضیلت واہمیت بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علم کا لغوی واصطلاحی مفہوم واضح کر دیا جائے۔ لغت کے اعتبار سے علم سہ حرفی لفظ ع۔ل۔م کا مجموعہ ہے اسی سے تعلیم ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا ادراک کرنا، صاحب منجد کہتے ہیں کہ "**معرفة الاشیاء بحقائقها**" حقیقت شئ کا ادراک اور یقین و معرفت۔ علم رکھنے والے کو عالم کہتے ہیں۔ تعلیم کا مطلب ہے علم سیکھنا اور سکھانا(**عَلَّمَ یُعَلِّمُ تَعْلِیْماً**) معلم سکھانے والے کو اور متعلم سیکھنے والے کو کہتے ہیں۔"[1]

ابن منظور "لسان العرب" میں علم کا مفہوم بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"**العلم نقیض الجهل عَلِمَ علماً وعلم هو نفسه**"[2]

"علم جہالت کی ضد ہے، علم کے معنی سیکھنے سکھانے کے ہیں اور اپنے نفس کو جاننا۔

راغب اصفہانی علم کا مفہوم بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

"**العلم ادراک الشئ بحقیقته وذلک ضربان احدهما ادراک ذات الشئ والثانی الحکم علی الشئ بوجود شئ هو موجود له او نفی شئ هو منفی عنه۔**"[3]

"علم کسی شئ کے حقیقت کے ادراک کو کہتے ہیں اور علم کی دو قسمیں ہیں۔ کسی شئ کی ذات کا ادراک اور دوسرا کسی چیز پر کسی چیز کی موجودگی کے سبب حکم لگانا جو موجود ہو یا نفی کرنا بوجہ منفی ہونے کے۔"

قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ لفظ علم ۸۰ مقامات پر معرفہ اور نکرہ استعمال ہوا ہے جب کہ اس سے بننے والے الفاظ علم یعلم یعلمون، علم یعلم علیم اور علامہ وغیرہ تو سینکڑوں بار آئے ہیں۔ قرآن حکیم میں لفظ عقل اسم یا مصدر کے طور پر کہیں استعمال نہیں ہوا۔ البتہ اس کا متبادل لفظ "الالباب" سولہ (۱۶) اورالنہی دو(۲) مقامات پر عقل کے معنی میں آیا ہے۔ قرآن پاک میں لفظ عقل کے مشتقل بھی انچاس(۴۹) مرتبہ

استعمال ہوئے ہیں۔ اسی طرح لفظ فکر کے مشتقات اٹھارہ(۱۸) مرتبہ، فقہ کے اکیس(۲۱)، حکمت کے بیس(۲۰) اور لفظ برھان دیگر الفاظ کی طرف منسوب ہوتے ہوئے اور بدون نسبت کے سات(۷) مقامات پر آیا ہے۔ یہ الفاظ ان الفاظ کے علاوہ ہیں جن کا استعمال علم اور فکر کی جگہ ہوا جیسے انظروا(غور کرو) ینظر (بغور دیکھتے ہیں) وغیرہ۔[4]

ماہرین یورپ علم کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں۔

It denotes an attempt on the part of the adult members of a human society to shape the development of the coming generation in accordance with its own ideals of life.[5]

"علم کسی انسانی معاشرہ کے سمجھ بوجھ رکھنے والے افراد کی ان کوششوں کا نام ہے جو وہ اپنے تصور حیات کے مطابق اپنی آئندہ نسل کی ترقی کی تشکیل کے لیے کرتے ہیں۔"

مذکورہ بالا مفہوم کے تناظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ علم کا مفہوم صرف آگہی ہی نہیں ہے بلکہ حیات انسانی میں تغیرات کی سبیل کا جاننا بھی اس ضمن میں آتا ہے۔ کیونکہ جب تک علم اپنے حقیقی معنوں میں اجاگر نہیں ہوگا اس وقت تک اپنی اہمیت، افادیت اور نفع نقصان کو بھی واضح نہیں کرسکے گا لہذا یہ کہنا بجا ہوگا کہ معلومات کا صحیح مفہوم جاننے ہی کی وجہ سے حیات انسانی پر کسی بھی قسم کی مثبت یا منفی تبدیلی کے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔

مفہوم تعلیم:

"علم یعلم تعلیماً مصدر ہے، جس کے معنی ہیں انسان کو سکھانا، مہذب بنانا اور شائستہ اطوار کا پابند بنانا۔(۱) تعلیم فطری تقاضوں کے مطابق نمو کا نام ہے۔(۲) اپنی معلومات متعلم تک منتقل کرنا تعلیم کہلاتا ہے۔ تعلیم اخلاق کی تعمیر و تشکیل کا نام ہے۔ تعلیم سے مراد ہے:

الف۔ معلومات پہنچانا ب۔ مہارت پیدا کرنا ج۔ اچھے کردار و سیرت کی تشکیل

اسلام نے جہالت کے مقابلہ میں ہمیشہ علم کو اہمیت و فوقیت دی ہے اور جہالت سے نفرت کا اظہار کیا ہے اور ایسا بایں وجہ ہے کہ اسلام ایک عقلی و شعوری دین ہے جو انسانی زندگی میں ارتقاء کو جاری و ساری رکھنے کے اصول رکھتا ہے لہذا اسلامی تعلیمات کے مطابق بقاء انسانی کا راز شعور آگہی میں ہے جو کہ علم کی بدولت ہی حاصل ہوسکتی ہے، اسی لیے

اسلام نے ہمیشہ جہالت کے خلاف جدوجہد کا نظریہ دیا ہے اور علم والوں کو ہی ہمیشہ اہمیت و فوقیت دی ہے۔"[6]

القصہ معلوم ہوا کہ تعلیم کے وسیع تر مفہوم میں وہ تمام معلومات و تجربات شامل و شمار ہوتے ہیں جو "من المهد الی اللحد" (گود سے گور تک) ہر فرد باضابطہ یا بے ضابطہ رسمی یا غیر رسمی طور پر خود سے حاصل کرتا ہے یا اسے حاصل کروایا جاتا ہے۔"[7]

علم انسان کو چونکہ روشنی اور ہدایت کی طرف لے جاتا ہے جب کہ اس کے بالمقابل جہالت اندھیروں اور بدتہذیبی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈال دیتی ہے۔ لہذا اس کا نتیجہ ہے کہ جہالت کے نتیجہ میں جو معاشرے وجود میں آتے ہیں وہ انسانی معاشرے نہیں کہلا سکتے یعنی ان معاشروں کی حالت گویا حیوانات کے باڑوں اور جنگلوں کی مانند ہے اسی بات کو قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ط اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا[8]

"کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا کچھ سمجھتے ہیں نہیں ہیں یہ مگر چوپایوں کی مانند بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔"

متذکرہ بالا بحث اور درج بالا حوالہ جات سے یہ حقیقت بھی بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ علم ہی وہ نابغۂ روزگار ہے جس کی بدولت انسان کو اور انسانی شعور کو بلند مرتبہ کا حصول ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علم کی بدولت ہی اہلِ علم کائنات اور اسکے رب کو سمجھ پاتے ہیں جس کے نتیجہ میں ایک بہترین سماجی زندگی کی داغ بیل پڑتی ہے اور تہذیبی و تمدنی ترقی و عروج حاصل کیا جا سکتا ہے۔ قرآن نے علم کی فضیلت و اہمیت کو اجاگر کرتے ہوءے اس قدر التزام اور اہتمام برتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی حیثیت کو ہی بطور معلم واضح کیا ہے اور آپ علیہ السلام کے فرائض منصبی میں تعلیم کو بھی شامل کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔[9]

"البتہ تحقیق اللہ نے مؤمنین پر احسان کیا کہ ان میں الٰہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا، جو ان پر اللہ کی

آیات تلاوت کرتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

آیت متذکرہ بالا نبی علیہ السلام کو بطور معلم متعارف کرارہی ہے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ علیہ السلام کے فرائض منصبی میں تزکیہ نفس کو بھی شامل کررہی ہے اور دوسرا اہم ترین فریضہ "تزکیہ نفس" بیان کررہی ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد دل کی پاکیزگی اور تربیت کا نظام ہے جس میں تدریجاً نفس میں طہارت و پاکیزگی کو پروان چڑھایا جاتا ہے اور شرور وسیّات سے دور کیا جاتا ہے بایں طور کہ نفس و قلب اپنی فطری حالت پر محفوظ رہتے ہیں اوران میں کسی قسم کا بگاڑ نہیں رہتا۔ عرب عالم عبدالرحمٰن نحلاوی اپنی کتاب میں اس بابت تحریر کرتے ہیں:

"التزکیۃ التنمیہ والتطہیر والسُّموّ باالنفس إلی بارئھا وابعادھا عن الشرور المحافظۃ علی فطرتھا۔"[10]

انسان کی اصلاح کے لیے صرف تعلیم کافی نہیں ہے بلکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا ہونا بھی ضروری ہے گویا تعلیم بدون تربیت بے معنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے نبی علیہ السلام کو تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا فریضہ بھی سپرد کیا اور تزکیہ نفس کو تعلیم کا مقصد قرار دیا۔ اللہ نے انسان کے دل میں فسق وفجور اور تقویٰ و نیکی دونوں کا الہام پیدا کیا ہے اور اس کے بعد انسان کو ایک خاص حد تک اختیار دے دیا کہ وہ اپنے اختیار سے راہِ معصیت اختیار کرے یا صراطِ مستقیم کا راہی بن جائے اب جب وہ اپنے اختیار سے ان دونوں میں سے کوئی راہ اختیار کرتا ہے تو اسی اختیار پر اسے ثواب یا عذاب ملتا ہے۔ قرآن اس بابت کہتا ہے:

"نَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا"[11]

یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ انسانوں میں سب سے زیادہ مکمل و جامع اور متوازن و معتدل اسوۂ حسنہ نبی علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہی ہے اور یہ بھی طے شدہ حقیقت ہے کہ قیامت تک آنے والے انسانوں میں جس کی زندگی آپ علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ سے قریب ترین ہوگی فلاح و نجات اسی قدر اس کا مقدر ہوگی۔ کیونکہ ہم منشور حیات (قرآن مجید) کے بارے میں یہ بھی جانتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے قرآن کو کسی مخصوص علم کی کتاب نہیں سمجھا بلکہ اس کی فکر پر آپ نے ایک انقلابی جماعت کی تشکیل کی اوراسی کی فکر پر آپ علیہ السلام نے معاشرے کے اس طبقۂ فکر کے افکار و نظریات کے خلاف جدوجہد کی داغ بیل ڈالی جو انسان اورانسانیت کی تباہی کا باعث بنتا جارہا تھا۔"[12]

اسلاممیں علم کی ضرورت دین و دنیا دونوں کے لیے مسلم ہے اس حوالہ سے سید محبوب حسن نہایت خوبصورت انداز سے اسلام میں علم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"حصول علم کے بارے میں اسلام کا نکتہ نظر انتہائی وسیع اور ہمہ گیر ہے علم دنیا کے لیے بھی ضروری ہے کہ اور دین کے لیے بھی، علم انفرادی عزت و عظمت کے لیے بھی ضروری ہے اوراجتماعی عزت و عظمت کے لیے بھی، علم سے افراد کی شرافت و تہذیب بھی ہے اور ملی شرافت اور تہذیب بھی، علم صحیح عقائد، عبادات و معاملات کے لیے بھی ضروری ہے اور حقوق و فرائض واخلاق کے لیے بھی۔ علم دنیوی ترقی کا زینہ بھی ہے اور حکمت و عرفان کا قرینہ بھی، علم خدا پرستی اوراطاعت شعاری بھی سکھاتا ہے اور مختلف انسانی صلاحیتوں کو جلا بھی بخشتا ہے۔"[13]

اسلام میں علم اور تعلیم مقصودِ حیات ہے نہ کہ وسیلہ۔ اسلام کی خصوصیت ہے کہ اسلام نے علم کو ہمیشہ مقصد سمجھا نہ کہ وسیلہ کیونکہ اسلام کا نکتہ نظر یہ ہے کہ "تعلیم کا اصلی مقصد صرف انسانی پیدائش کے منشاء کو پورا کرنا، اچھے اخلاق سے آپ آراستہ ہونا اوردوسروں کو آراستہ کرنا، اپنے علم کی روشنی سے جہل اور نادانی کے اندھیروں کو دور کرنا، نہ جاننے والوں کو سکھانا بھولے بھٹکوں کو راہ دکھانا حق کو پھیلانا اور باطل کو مٹانا ہے۔"[14]

اہمیت علم اور حدیث:

احادیث نبویہ ﷺ میں جب ہم علم کی اہمیت کے حوالہ سے تتبع کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو علم کی اہمیت اور قدر و منزلت اجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

"تعلموا العلم وعلموه الناس۔"[15]

خود بھی علم سیکھو اوردوسروں کو بھی علم سکھاؤ۔"

نبی ﷺ اپنی بعثت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے اہم ترین مقصد بعثت معلم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انما بعثت معلما۔"[16]

"مجھے تو سکھانے والا ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

"بعثت لاتمم حسن الاخلاق۔"[17]

"مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں بہترین اخلاق کی تکمیل کروں۔"

یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی علم کی پیدوار سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے ایک ساز گار ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک ایسا عملی ماحول جہاں تربیت کا عملی نظام موجود ہو کیونکہ علم تو کتابیں دیتی ہیں لیکن تربیت استاد کرتا ہے۔ لہٰذا بچوں کی اور متبعین کی اخلاقی تربیت کے لیے استاد کا ہونا ضروری ہے اور استاد بھی وہ جو اپنی ذمہ داریوں کو بطریق احسن ادا کر سکے اس لیے کہ استاد ایک طرح سے والد کے مقام پر ہوتا ہے۔ جیسے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

"انی انالکم مثل الوالد۔"[18] "میں تمہارے لیے والد کی طرح ہوں۔"

اور چونکہ معاشرتی ترقی وارتقاء کا راز حصول علم ہی میں پوشیدہ ہے اس لیے آپ علیہ السلام حصول علم کو فرض قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"طلب العلم فریضة علی کل مسلم "[19] "علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

علم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ایک موقعہ پر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"انما العلم اية محکمة اوسنه قائمة اوفریضة عادلة۔"[20]

"علم تو آیات محکمات، سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ ہے اس حدیث کے ذیل میں امام غزالی نے علوم کو فرض عین اور فرض کفایہ میں تقسیم کیا ہے۔ آپ تحریر کرتے ہیں:

"فرض عین تو معرفت الٰہی پر مبنی علوم ہیں۔ جب کہ فرض کفایہ سے مراد وہ علوم ہیں جو انسان کی مختلف ضرورتیں پوری کرتے ہیں مثلاً طب، زراعت وغیرہ۔ معاشرہ میں کچھ لوگ ضرور ایسے ہونے چاہیئے ہیں جو ان کی تحصیل کریں وگرنہ تو پورا معاشرہ گنہگار ہوگا۔"[21]

نبی علیہ السلام نے اپنی حیثیت کو بطور معلم واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"ان الله لم یبعثنی معنقا ولامتعنقا ولکن بعثنی معلما میسرا۔"[22]

"یقیناً اللہ نے مجھے لوگوں پر سختی کرنے والا و عجب چین (نقطہ چین) بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے آسانی والا معلم بنا کر مبعوث فرمایا۔"

اسی طرح آپ علیہ السلام نے صحابہ کو بھی ہمیشہ اس بات کی تلقین فرمائی کہ لوگوں پر آسانی کریں۔ ان کو تنگی اور سختی میں نہ ڈالیں۔ یعنی اشاعت علم میں نرمی اختیار کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

"علموا ویسروا ولاتعسروا واذاغضب فأسکت"۔[23]

"تم تعلیم دو اور آسانی پیدا کرو اور تنگی نہ کرو، جب کوئی غصہ میں ہو تو اسے خاموش ہو جانا چاہئے۔"

"عن انس بن مالک : قال جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ فقال: یارسول الہ ای الاعمال افضل؟ قال:قال : العلم باللہ عزوجل قال: یارسول اللہ ای الاعمال افضل؟ قال:قال : العلم باللہ عزوجل قال: یارسول اللہ ای الاعمال افضل؟ قال:قال : العلم باللہ عزوجل قال: یارسول اللہ اسئلک عن العمل وتخبرنی عن العلم فقال رسول اللہ ﷺ ان قلیل العمل ینفع مع العلموان کثیر العمل لاینفع مع الجھل۔"[24]

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا کہ کونسے اعمال افضل ہیں ؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کا علم، حتی کہ اس شخص نے نبی علیہ السلام سے دو مرتبہ یہی سوال کیا اور آپ نے ہر مرتبہ یہی جواب فرمایا پھر وہ نبی علیہ السلام سے بولا میں آپ سے افضل عمل کی بابت دریافت کرتا ہوں جب کہ آپ مجھے علم کے متعلق جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ تھوڑا سا عمل جو علم کے ساتھ ہو وہ اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو نفع دیگا لیکن جہل کے ساتھ کیا گیا عمل جو اگرچہ زیادہ ہی کیوں نہ کچھ سودمند نہ ہو گا۔"

امام رازی اس بابت صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ علم کیا ہے ؟ فرمایا: دلیلِ عمل۔ عرض کیا کہ عقل کیا ہے فرمایا: بھلائی کی راہنما۔"[25]

ابتدائی زندگی:

بچپن میں ڈاکٹر غازی کی زبان میں معمولی سی لکنت تھی، جو شاید بعد میں بھی قائم رہی۔ لکنت کی وجہ سے بچپن میں پڑھنے میں دشواری ہوتی حفظ قرآن کے لیے جب آپ کے والد آپ کو مدرسہ میں داخلہ کے لیے لے کر گئے تو قاری حضرات آپ کی لکنت کے باعث مایوس ہوگئے لیکن ڈاکٹر صاحب نے کمال محنت کے ساتھ اس دشواری پر قابو پایا اور حفظ مکمل کیا۔

تعلیم وتربیت:

تعلیم و تربیت کا ہمیشہ ساتھ رہا ہے کیونکہ علم تربیت کے بغیر اور تربیت علم کے بغیر بے فائدہ ہے اس لیے تعلیم وتربیت کا ایک ساتھ ہونا ضروری ہے جب ہی انسان انفرادی و اجتماعی زندگی میں کامیاب ہوسکتا ہے گو ڈاکٹر غازی علم و تربیت دونوں سے آراستہ تھے کیونکہ آپ کے والد محترم ایک مذہبی شخصیت کے مالک تھے، لہذا اپنی خاندانی روایات کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب کی دینی تعلیم کا خصوصی اہتمام کیا۔ آپ کی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کاندھلہ میں اپنی نانی صاحبہ کے پاس رہتے تھے۔ اس قیام کے دوران مولانا صدیق احمد کے مدرسہ میں داخلہ لیا اور حفظ قرآن کے لیے حافظ عبد العزیز کی شاگردی اختیار کیا۔[26]

کراچی میں قیام کے دوران بھی حفظ قرآن کا سلسلہ جاری رہا یہاں قاری وقاء اللہ پانی پتی اور حافظ نذیر احمد سے نوعمری میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی۔ آپ کی عمر تقریباً نو سال تھی۔[27]

حفظ قرآن ایک نعمت کے ساتھ ایک عظیم شان رکھتی ہے کیونکہ کتاب اللہ خاص اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور یہ سعادت ملنے کے بعد خالق بھی بندے سے راضی اور خوش ہوتے ہیں اور جب اس کی تعلیمات پر عمل کیا جائے یعنی اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام اور حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھے تو یہ دنیوی سعادت کے ساتھ اخروی سعادت کا بھی ضامن ہے۔

اعلیٰ تعلیم:

تعلیم ایک ایسا سلسلہ ہے کہ جو مستقل جاری رہتا ہے اور کبھی ختم ہونے والا نہیں کیونکہ دنیا میں اور نئ نئ ایجادات اور نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد اگلا مرحلہ اعلیٰ تعلیم کے

حصول کا ہوتا ہے۔ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ نے فارسی کی ابتدائی کتب والد صاحب سے گھر میں پڑھ لیں تھیں۔ بعد میں دینی تعلیم کے حصول کے لیے باقاعدہ طور پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ لیا۔ درس نظامی کی ابتدائی کتب یہاں سے مکمل کیں۔ جامعہ اشرفیہ لاہور سے بھی درس نظامی کا کچھ حصہ پڑھا اس کے بعد شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کے مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں داخلہ لیا۔ ۱۹۶۶ء میں درس نظامی یہاں ہی سے مکمل ہوا، قرآن پاک کی تفسیر کے لیے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان سے استفادہ کرنے کا موقع بھی میسر آیا۔

مدرسہ تعلیم القرآن میں چونکہ اکثر طلبہ پٹھان یا صوبہ سرحد (موجودہ نام خیبر پختون خواہ) وغیرہ کے تھے اس لیے مولانا عبد الرحمن کامل پوری پشتو میں درس دیتے تھے۔ پشتو ذریعہ تعلیم ہونے کے باعث ڈاکٹر صاحب کو دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن آپ کی درخواست پر دورہ حدیث عربی میں شروع ہوا تو چند طلبہ نے اعتراض کیا۔ لیکن چونکہ کتب عموماً عربی زبان میں تھیں جس کی وجہ سے ان کے اعتراضات کا جواز نہ تھا احادیث کی کتب سنن ابی داؤد اور موطا امام مالک، مولانا عبد الشکور کامل پوری سے پڑھیں۔[28]

درس نظامی کی کامیاب تکمیل کے بعد فارسی آنرز کا امتحان ۱۹۶۸ء میں امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور گولڈ میڈل کے حقدار قرار پائے۔[29]

فارسی زبان میں دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنی محنت اور کوشش سے اتنی مہارت حاصل کرلی کہ شعر وشاعری کے لیے فارسی زبان کو استعمال کیا۔ آپ کی کئی نظمیں ماہنامہ "تحقیقات" ایران پاکستان ریسرچ سینٹر اسلام آباد میں شائع ہوئیں۔[30]

عصری تعلیم:

اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے ساتھ اعلیٰ عصری تعلیم بھی وقت اور زمانہ کی ضرورت ہے اس لیے ڈاکٹر غازی نے عصری تعلیم میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اپنی تعلیم بطور پرائیویٹ امیدوار کے میٹرک اور ایف اے کا امتحان اپنی مدد آپ کے تحت پاس کیا۔ دریں اثناء آپ نے درس وتدریس کا آغاز سترہ سال کی عمر میں کیا۔ لیکن علم کی پیاس ابھی باقی تھی چنانچہ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ اپنا تعلیمی سفر بھی جاری رکھا اور پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۷۲ء میں ایم اے عربی اور ۱۹۸۸ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔[31]

آپ کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ زندگی بھر رسمی وغیر رسمی انداز میں جاری رہا، تدریس کے شعبہ سے منسلک

ہونے کے ساتھ ساتھ لائبریری جانا آپ کا معمول تھا۔ عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں پر مشتمل کتب کے مطالعہ کا شوق تھا۔ ان زبانوں پر از خود عبور حاصل کیا انگریزی زبان میں مہارت کا یہ حال تھا کہ آپ نے پی ایچ ڈی کا مقالہ انگریزی زبان میں پیش کیا۔

حوالہ جات باب دوم

[1]۔ لویس معلوف، المنجد، عربی اردو، ص۷۷۶، دارالاشاعت کراچی ۱۹۹۴ء

[2]۔ ابن منظور، لسان العرب، مادہ علم، ج/۴، ص۳۰۸۳، دارالمعارف قاھرہ، س۔ن۔

[3]۔ اصفہانی، حسین بن محمد مفضل راغب، المفردات فی غرائب القرآن، ص۹۸، نور محمد اصح المطابع، س۔ن۔

[4]۔ قرضاوی، ڈاکٹر یوسف، رسول اکرم ﷺ اور تعلیم، مترجم ارشاد الرحمان، نگارشات لاہور، ص۱۲،۱۱

[5]۔ Encyclopedia Britannica (1768) Vol-7, p 964-3.5

[6]۔ القرآن سورۃ زمر آیت نمبر۔۹، القرآن سورۃ انعام، آیت ۳۵ اور سورۃ مجادلہ، آیت ۱۱

[7]۔ افضل حسین، فن تعلیم وتربیت، ص،۴۰، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۸ء

[8]۔ القرآن سورۃ فرقان، آیت ۴۴

[9]۔ القرآن سورۃ آل عمران، آیت ۱۶۴

[10]۔ عبدالرحمٰن نحلاوی، اصول التربیۃ الاسلامیۃ واسالیبھا، ص۱۵۵، المکۃ العربیۃ السعودیۃ، دارالفکر

[11]۔ القرآن سورۃ الشمس، آیت ۹

[12]۔ الطاف جاوید، انقلاب مکہ اور فہم جدید کے منہاج، ص۷۳، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۶ء

[13]۔ واسطی، سید محبوب حسن، مولانا السیرہ، حضور کا تعلیمی انقلاب، ص۸۱، زوار اکیڈمی، کراچی، جون ۲۰۰۰ء

[14]۔ ندوی، ریاست علی، اسلامی نظام تعلیم، معارف پریس، اعظم گڑھ، ص۱۹۳۸،۹

[15]۔ سنن دارمی، ج/۱، ص۸۴، رقم، ۱۲۲، مطبع نظام کانپور، ۱۲۹۳ھ

[16]۔ ابوعبداللہ قزوینی، ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، ج/۱، ص۹۸، رقم ۲۲۹، دارالفکر بیروت، س۔ن۔

[17]۔ مسند احمد، ج/۲، ص۲۸۱، مطبع میمنیہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[18]۔ الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان۔ ج/۴، ص۲۷۹، دارالکتب العلمیۃ بیروت۔ ۱۹۸۷ء

[19]۔ ابوعبداللہ قزوینی، ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، ج/۱، ص۷۹، محولہ بالا

[20]۔ السجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابو داؤد، کتاب الفرائض، مترجم، خورشید عالم، دارالاشاعت، کراچی، س۔ن۔

[21]۔ الغزالی، محمد، ابو حامد، احیاء العلوم، دارالمعرفۃ، بیروت، ج/ ا، ص ۲۴۲، س۔ن۔

[22]۔ القشیری، مسلم بن حجاج، امام، صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب بیان ان تخیر امرأۃ۔

[23]۔ القرآن سورۃ احزاب، آیت ۱۲، بلاشبہ رسول کی ذات میں تمہاری لیے اچھی مثال ہے۔

[24]۔ ابن عبد البر، یوسف، مختصر جامع بیان العلم وفضلہ، ص ۴۶، حدیث ص ۴۶، مکتبہ تجاریہ، مصر، ۱۹۹۹

[25]۔ رازی، مفاتح الغیب، ج/ا ص ۲۵۱، دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۹۹۹ء۔

[26]۔ ششماہی معارف، اسلامی، جنوری تا جون، ۲۰۱۱ء، ص ۲

[27]۔ ماہنامہ الشریعہ، جنوری فروری، ۲۰۱۱ء ص ۴۱

[28]۔ ماہنامہ الشریعہ، جنوری فروری، ۲۰۱۱ء، ص ۴۲

[29]۔ روزنامہ جہاد، پشاور ۳۱ جنوری، ۲۰۱۱ء

[30]۔ ششماہی، معارف اسلامی، جنوری تا جون، ۲۰۱۱ء ص ۴۳

باب سوم

شخصیت کے مختلف پہلو

شخصیت کے مختلف پہلو

انسان کی زندگی میں کئی سارے مثبت اور منفی پہلو ہوتے ہیں بعض اوقات مثبت پہلو منفی پہلو پر غالب ہوتے ہیں اور کبھی منفی پہلو مثبت پہلوؤں پر غالب آجاتے ہیں لیکن اس دنیا میں ایسے انسان بھی ہوتے ہیں جن کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ان کی زندگی میں منفی پہلوؤں کا سرے سے وجود نہیں ہے یا ان کے زندگی کے مثبت پہلوؤں نے منفی پہلوؤں کو چھپالیا ہے۔ ان ہی اشخاص میں سے ایک شخصیت ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کی ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی کی زندگی بڑی جدوجہد اور مصروفیت سے عبارت ہے کیونکہ علم کو آپ نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا اوراس کی گہرائی میں اتر گئے تھے اس لیے ذہن و قلب میں کبھی منفی پہلو کا خیال یا آیا نہیں یا اس کو دبالیا تھا۔ آپ کو جب بھی کسی نے پایا تو آپ ہمیشہ کسی نہ کسی سوچ میں۔

بحیثیت مدرس:

ڈاکٹر غازی اپنی عملی زندگی میں درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ عمل تدریس کا آغاز سترہ سال کی عمر میں مدرسہ فرقانیہ راولپنڈی سے کیا، جہاں آپ عربی کے استاد مقرر ہوئے علاوہ ازیں مدرسہ ملیہ اسلامیہ راولپنڈیمیں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے اوراسی دوران لاہور سے مولانا گلزار احمد مظاہری نے آپ کو علماء اکیڈمی کے ڈائریکٹر کے عہدے کی پیشکش کی۔ غازی صاحب نے خود بتایا کہ وہ مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام کے درمیان افہام و تفہیم کے قائل ہیں مگر باوجود اس کے چند ناگزیر وجوہات کی بناء پر یہ پیشکش قبول نہ کی۔ تب سے آپ کی درس و تدریس کا مرکز راولپنڈی اوراسلام آباد ہی رہا۔[1]

مدرسہ ملیہ اسلامیہ میں تدریسی فرائض کی بجاآوری کے دوران آپ مختلف لائبریریوں سے مستفید ہوئے۔ مصری شاعر شیخ صاوی شعلان سے آپ کی ملاقات ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کی لائبریری میں ہوئی۔ شیخ صاوی شعلان مصر کے مشہور شاعر ہیں، اور حکومت پاکستان کی درخواست پر کلام اقبال کی تقریب کے لیے تشریف لائے تھے۔ ڈاکٹر غازی کو کلام اقبال سے ذاتی دلچسپی تھی، لہذا مصری شاعر کے ساتھ کام کرنے کے لیے آمادہ ہوگئے۔ اس کام میں مشغولی کی وجہ سے مدرسہ ملیہ میں تدریس سے مستعفی ہوگئے۔ کلام اقبال پر تفصیلات جمع

کرنے اور مطالعہ کی گہرائی نے آپ میں عربی زبان کا ذوق پیدا کیا۔ عربی میں مہارت کے سبب ادارہ تحقیقات اسلامی میں کام کرنے کی پیش کش ہوئی جسے آپ نے قبول کیا اور یوں ادارہ میں خدمات سر انجام دینا شروع کیں۔[2]

تدریس کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب اسلامی یونیورسٹی سے ایک طویل عرصہ تک منسلک رہے۔ اسلامی یونیورسٹی میں جب فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لاء کا آغاز ہوا تو طلبہ کو پڑھانے کے لیے ایسے اساتذہ درکار تھے، جو نصاب پر عبور رکھتے ہوں اور یونیورسٹی کے ماحول اور نظام سے بھی واقف ہوں۔ اس مقصد کے لیے ادارہ تحقیقات اسلامی کے جن اسکالرز کا انتخاب کیا گیا، ان میں ڈاکٹر غازی بھی شامل تھے اسی دوران شریعہ اکیڈمی، اسلامی یونیورسٹی میں وکلاء اور ججز کے لیے ایک تربیتی پروگرام کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر صاحب اس پروگرام کے بھی روح رواں تھے۔ آپ کے لیکچرز کا خصوصی انتظام کیا گیا۔ شریعہ اکیڈمی میں آپ کی شہرت کا سبب "الاحکام السلطانیۃ" کی تدریس تھی اس کے علاوہ دعوہ اکیڈمی جو اسلامی یونیورسٹی کا ایک ذیلی ادارہ ہے، میں بھی درس و تدریس کی خدمات سر انجام دیں۔

ڈاکٹر موصوف بنیادی طور پر اسلامی یونیورسٹی میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ لیکن باقی جامعات کے طلبہ اوراساتذہ بھی آپ سے استفادہ کرتے۔ مختلف جامعات میں منعقد ہونے والے سیمینار اورورکشاپوں میں آپ شرکت کرتے، اپنے علمی اور تحقیقی خطبات سے سامعین کو قیمتی معلومات فراہم کرتے۔ ایم فل اورپی ایچ ڈی اسکالرز کے لیے خصوصی خدمات سرانجام دیں، پاکستانی جامعات میں سے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے خاص لگاؤ تھا یونیورسٹی کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر بھی رہے۔

۲۰۰۶ء میں آپ کی صدارت کی مدت مکمل ہوئی۔ اسی دوران آپ کو قطر یونیورسٹی کے شعبہ معارف اسلامیہ کی طرف سے کام کرنے کی پیشکش ہوئی جو آپ نے قبول کرلی اور یوں قطر یونیورسٹی میں آپ کی خدمات کا آغاز ہوا۔ قطر میں رہ کر ڈاکٹر غازی کو اپنی خالص غذا میسر آئی، آپ معاشرتی مصروفیات سے آزاد ہو گئے، آپ کو خلوت ملی، تنہائی ملی، طلبہ اوراسکالرز ملے اور بہت وقیع لائبریری ملی۔ ڈاکٹر صاحب نے قطر کے قیام کو بہت مفید بنایا اوران اوقات و لمحات سے خوب استفادہ کیا، آپ بتاتے تھے کہ قطر میں ان کو نئی زندگی اور بہت سارے نئے جہات سامنے آئے[3]، اسی طرح ملائیشیا کی انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی میں تقریباً ۲ سال تدریسی خدمات سر انجام دیں۔

بحیثیت محقق:

ڈاکٹر غازی صاحب بنیادی طور پر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے پروفیسر تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ اسلامی یونیورسٹی تک محدود نہ تھے بلکہ تمام جامعات میں علوم اسلامیہ کے طلبہ آپؒ سے مستفید ہوتے تھے۔ آپ صحیح معنوں میں علوم اسلامیہ کے پروفیسر تھے۔ جس ادارہ اور جس یونیورسٹی سے آپ کو لیکچر، سیمینار اور کانفرنس میں شرکت کی دعوت ملتی آپ فوراً تیار ہو جاتے۔ آپ کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مطالبہ بالکل نہیں کرتے تھے۔ لیکچرز دینے کا معاوضہ قبول نہیں کرتے تھے۔ رہائش، خوراک اور سفر کے ضمن میں کوئی تکلف ان کے ہاں نہیں تھا۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کا بہت خصوصی تعلق تھا۔ آپ اس کے ایگزیکٹو کونسل کے ممبر رہے۔ تقریباً ہر سال ربیع الاول کے مہینہ میں سیرت کے موضوع پر لیکچر دینے کے لیے آپ تشریف لاتے تھے۔ کلیہ عربی و علوم اسلامیہ کو پہلے دن سے آپؒ کی سرپرستی حاصل رہی۔ یہی وجہ ہے کہ جب کلیہ عربی و علوم اسلامیہ کے لیے یونیورسٹی کیمپس میں مستقل بلاک کی تعمیر مکمل ہوئی تو اس کے افتتاح کے لیے ڈاکٹر انوار حسین صدیقی نے ڈاکٹر غازی صاحب کو دعوت دی۔ ڈاکٹر غازی صاحبؒ نے بلاک کا افتتاح کیا اور اس موقع پر بہت پر مغز گفتگو فرمائی۔ آپؒ کہتے تھے کہ:

"یہ یونیورسٹی علامہ اقبال کی طرف منسوب ہے اور آپؒ کو علامہ اقبال سے قلبی اور جذباتی عقیدت ہے اس لیے یہاں آنے کو اپنے لیے سعادت اور باعثِ فرحت سمجھتے ہیں۔"

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ میں جب بھی ایم فل اور پی ایچ ڈی پروگرام کی ورکشاپ ہوتی ہم آپ کو دعوت دیتے تو آپ اپنی دیگر مصروفیات چھوڑ کر تشریف لاتے اور گھنٹوں طلبہ کے ساتھ بیٹھ کر ان کے خاکہائے تحقیق پر گفتگو فرماتے۔

ڈاکٹر غازی صاحبؒ "معارف اسلامی" کی مجلس مشاورت کے ممبر رہے اور محض ممبر نہیں رہے بلکہ بہت Active Member رہے۔ "معارف" کا ہر عدد آپؒ بڑے التزام کے ساتھ پڑھتے تھے اور بتاتے تھے کہ انہوں نے "معارف" کے سارے مقالات پڑھ لیے ہیں۔

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ کے کئی اسکالرز نے ڈاکٹر غازی صاحب کی نگرانی میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات مرتب کیے۔ شاگردوں کے ساتھ آپ کا رویہ غیر معمولی مشفقانہ ہوتا تھا۔ Viva-Voce کے دوران

زیر بحث مقالہ کے تمام پہلوؤں کو بڑی تفصیل کے ساتھ اجاگر کرتے تھے اور طلبہ کو رہنمائی فراہم کرتے تھے۔ ایک موقع پر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے ایک اسکالر کے مناقشہ مین ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ اسکالر نے ڈاکٹر غازی صاحب کے اشراف میں مقالہ لکھا تھا۔ میں بیرونی ممتحن کی حیثیت سے تھا۔ جب مناقشہ مکمل ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے ان تمام سوالات پر ایک ایک کر کے بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو فرمائی جو اس اسکالر سے کیے گئے تھے اور فرمایا کہ:

"اسکالر میں ابھی اتنی پختگی نہیں آئی کہ موضوع کے سارے پہلوؤں کو سمجھ سکے البتہ اپنی سطح کے مطابق اس نے محنت کر لی ہے اور امید ہے کہ مستقبل میں مزید محنت کرے گا۔"

بحیثیت منتظم:

ڈاکٹر غازی نے ۱۹۹۴ء تا ۲۰۰۴ء اسلامی یونیورسٹی میں بطور نائب صدر اپنی ذمہ داریاں سرانجام دیں۔ مختلف امور میں غیر معمولی دلچسپی کے باعث نائب صدر کے عہدے پر فائز ہونے کے باوجود تمام انتظامی امور آپ کی حسب منشاء طے پائے، ڈاکٹر حسین حامد حسان کے بعد ڈاکٹر احمد العسال یونیورسٹی کے قائم مقام صدر ہوئے لیکن اپنی گوناگوں مصروفیات کے باعث ملکی و غیر ملکی دوروں پر ہوتے، چنانچہ یونیورسٹی کے تمام معاملات عملاً آپ کے زیر نگرانی تھے۔

۲۰۰۴ء میں ڈاکٹر صاحب کو اسلامی یونیورسٹی کا صدر چنا گیا، آپ نے اپنی شبانہ روز محنت سے یہ ثابت کیا کہ وہ واقعی اس عہدے کے لیے موزوں تھے، یونیورسٹی کے مالیاتی نظام کو شفاف بنایا اور اس میں بہتری کے لیے عملی اقدامات کیے، مختلف کلیات کو بہتر کیا، کلیہ شریعہ اینڈ لاء کے امور کو اپنی ذاتی نگرانی میں رکھا اور طلبہ کے لیے اسکالرشپ کا آغاز کیا اس کے علاوہ یونیورسٹی کی عمارت کی تکمیل میں آپ نے فعال کردار ادا کیا۔

یونیورسٹی کے انتظام وانصرام میں امانت ودیانت اور تحمل مزاجی آپ کا خاصہ تھا۔ انتظامی ومالیاتی امور میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے۔

۲۰۰۴ء میں ڈاکٹر غازی صاحب کو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے بورڈ آف ٹرسٹیز نے بطورِ صدر منتخب کر لیا۔ یہ وہ دور تھا جب بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی مالیاتی بحران کا شکار تھی اور یونیورسٹی کے کئی یونٹس عملاً معطل ہو کر رہ گئے گے۔ ڈاکٹر غازی صاحبؒ نے سب سے پہلے یونیورسٹی کے مالیاتی معاملات پر توجہ دی اور حکومتِ وقت کے ساتھ اپنے تعلقات استعمال کرتے ہوئے یونیورسٹی کے فنڈز میں معقول اضافہ کرایا۔ علاوہ ازیں بیرون ملک کے

کئی اداروں کے ساتھ رابطہ کر کے یونیورسٹی کو مالی طور پر مستحکم کر دیا۔ آپ نے یونیورسٹی کے بنیادی کلیات پر توجہ دی۔ کلیہ شریعہ اینڈ لاء کے امور و معاملات کو خود دیکھا۔ اس کی فیکلٹی کو بڑھایا اور اقسام میں اضافہ کیا۔ کلیہ اصول الدین میں طلبہ کے لیے اسکالرشپ کا اہتمام کیا اور بہت سارے ایسے اقدامات کیے جن کی وجہ سے کلیہ اصول الدین دوبارہ زندہ ہو گیا اور کلاسیں طلبہ سے بھر گئیں۔ کلیہ عربی کے اقسام میں منطقی ترتیب کے مطابق اضافہ کیا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ یہ تینوں کلیات اسلامی یونیورسٹی کی جان ہیں۔ یہ کلیات مخدوم ہیں اور باقی کلیات خادم ہیں۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی عمارت ڈاکٹر غازی کی یادگار ہے۔ اس عمارت کی تعمیر پر آپ نے بہت خاص توجہ دی۔ آپ کہتے تھے کہ حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس لیے عمارت کی تعمیر میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ جتنا فنڈ دستیاب ہے اسے استعمال کر لینا چاہیے۔ فنڈز کے استعمال میں آپؒ اگرچہ حد درجہ محتاط تھے لیکن جہاں واقعی ضرورت ہوتی تھی وہاں خرچ کرتے تھے۔ جب آپ دعوۃ اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل تھے تو ہر سال اکیڈمی کے بجٹ سے ایک بڑی معقول رقم بچاتے تھے۔ آپؒ کا منصوبہ تھا کہ جب یہ فنڈ دس کروڑ تک پہنچ جائے تو اس کی بنیاد پر دعوۃ ٹرسٹ قائم کریں گے اور اس طرح دعوۃ اکیڈمی اپنے پروگراموں کے چلانے میں گورنمنٹ کے فنڈز کی محتاج نہیں رہے گی۔ اس منصوبہ کے تحت آپ نے مطلوبہ رقم کا ستر فیصد حصہ جمع کر لیا تھا اور اگر آپ کو دعوۃ اکیڈمی میں مزید دو سال رہنے کا موقع مل جاتا تو دعوہ ٹرسٹ قائم ہو جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا بعد میں وہ رقم یونیورسٹی کے دیگر مدات میں استعمال کی گئی۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے صدر کی حیثیت سے آپؒ نے یونیورسٹی کے ظاہری اور معنوی استحکام کے لیے کئی اقدامات کیے اور یونیورسٹی کے تشخص کو نمایاں کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن اب حالات ایسے نہ تھے کہ یونیورسٹی کا اصل تشخص کماحقہ برقرار رہے۔ جب آپ کے منصب کی مدت پوری ہوئی تو اس میں تمدید نہیں کی گئی۔

۱۹۹۱ء میں آپ کو دعوۃ اکیڈمی کے ساتھ ساتھ شریعہ اکیڈمی کے مدیر عام کی حیثیت سے فرائض سونپے گئے۔ اس اکیڈمی کے ساتھ آپ کا انسلاک اس کے آغاز ہی سے تھا۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے شریعہ اکیڈمی میں کئی شعبے قائم کیے۔ اس کی لائبریری پر بطورِ خاص توجہ دی اور فقہ و اصولِ فقہ کے علاوہ مروجہ قوانین سے متعلق Basic Sources اور مراجع سے اسے مزین کروایا۔ اکیڈمی سے مطبوعات کا سلسلہ جاری کرایا۔ آپؒ کی خواہش تھی کہ عربی میں جتنی بھی تفاسیر احکام ہیں ان کا مروجہ اردو میں ترجمہ کرایا جائے اور اکیڈمی کی طرف سے انہیں شائع کرایا جائے۔ اس ضمن میں امام ابو بکر جصاص کی "آیات الاحکام" اور امام قرطبی کی "الجامع لایات الاحکام" پر آپ کی

خصوصی نظر تھی۔ اس مقصد کے لیے آپ نے فنڈز کا اہتمام کر لیا تھا اور کام کا آغاز بھی ہو گیا تھا لیکن بوجوہ منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔ تفسیر قرطبی کی پہلی جلد بعد میں شریعہ اکیڈمی کی طرف سے چھپ گئی ہے۔ آیات الاحکام کا ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے لیکن جو خاکہ ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں تھا اس کے مطابق یہ منصوبہ آگے نہیں بڑھ سکا۔

۱۹۹۴ء سے ۲۰۰۴ء تک ڈاکٹر غازی صاحب بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے نائب صدر رہے۔ بظاہر آپ نائب صدر تھے لیکن حقیقی معنوں میں یونیورسٹی کے تمام امور آپؒ کے حسب منشاء چلتے تھے۔ اساتذہ اور طلبہ کے جتنے مسائل ہوتے تھے وہ آپ حل کرتے تھے اور آپ کا دفتر ہر وقت ایک جمگھٹے کا منظر پیش کرتا تھا۔ ڈاکٹر حسین حامد حسان کے بعد ڈاکٹر احمد العسال یونیورسٹی کے قائم مقام صدر بنے۔ ڈاکٹر عسال مزاجاً ادارتی امور سے کوسوں دور تھے اور اکثر و بیشتر بیرون ملک رہتے تھے۔ اس لیے یونیورسٹی زیادہ تر ڈاکٹر غازی صاحب کے ذمہ رہتی تھی۔ ڈاکٹر احمد العسال (مرحوم) کے بعد جب ڈاکٹر حسن شافعی یونیورسٹی کے رئیس مقرر ہوئے تو انہیں ڈاکٹر غازی صاحبؒ پر نہ صرف یہ کہ اعتماد تھا بلکہ سو فیصد انحصار تھا۔

۱۹۹۹ء میں ڈاکٹر غازی صاحبؒ کی مصروفیات میں ایک اور اہم اضافہ ہوا۔ جنرل پرویز مشرف نے عنانِ اقتدار سنبھالنے کے بعد جب "قومی سلامتی کونسل" قائم کی تو آپ کو اس کونسل کا رکن منتخب کیا۔ اس کونسل کی چونکہ بہت اہم ذمہ داریاں تھیں اس لیے ڈاکٹر غازی صاحب انتہائی مصروف ہو گئے۔ قومی سلامتی کونسل کے رکن ہونے کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب نے بہت اہم اور مفید کام کیے۔ اب جب ہم اس وقت کی صورتِ حال کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر غازی صاحبؒ نے کونسل کی رکنیت کیوں قبول کی تھی؟ قومی سلامتی کونسل کی رکنیت قبول کر کے آپؒ نے اس Vision کو استعمال کیا۔ جو اللہ جل شانہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ بعض حضرات ڈاکٹر غازی صاحب پر اعتراض کرتے تھے کہ انہوں نے جنرل پرویز مشرف کے قائم کردہ قومی سلامتی کونسل کی رکنیت قبول کر کے جنرل موصوف کے ہاتھ مضبوط کیے۔ ڈاکٹر صاحب کہا کرتے تھے کہ جنرل پرویز کے ہاتھ ویسے مضبوط تھے۔ انہیں ہمارے سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم نے صورتِ حال کو بڑی تفصیل کے ساتھ دیکھ کر اس کونسل کی رکنیتا ختیار کی تھی۔

۲۰۰۰ء میں جنرل پرویز مشرف نے امورِ مملکت چلانے کے لیے وزراء پر مشتمل ایک کابینہ تشکیل دینے کا فیصلہ کیا تو ڈاکٹر غازی صاحب کو مذہبی امور کی وزارت کے لیے منتخب کر لیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اگست ۲۰۰۰ء میں

وزارتِ مذہبی امور کا قلم دان سنبھالا اور دو سال تک اس وزارت کے ساتھ منسلک رہے۔ وفاقی وزیر کی حیثیت سے ڈاکٹر غازی صاحب نے کئی اقدامات کیے۔ آپ کی خواہش تھی کہ زکوۃ کی وہ رقوم جو اربوں کی مقدار میں جمع ہیں انہیں Invest کیا جائے اور اس طریقے سے Invest کیا جائے کہ اس کا فائدہ ملک کے غریب طبقہ کو ہو۔ اس مقصد کے لیے آپ نے بہت تفصیل کے ساتھ پلاننگ کی تھی۔ لیکن ہمارے ملک میں چونکہ مفید منصوبہ کے اجراء میں کئی اژدہا حائل ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر غازی صاحب کا واسطہ بھی بڑے بڑے اژدہاؤں سے پڑا اور انہیں اپنی پلاننگ پر عمل کرنے کی فرصت نہیں دی گئی۔

ڈاکٹر صاحب ۲۰۰۲ء کے بعد مسلسل انتظام و انصرام کے امور سے بھی منسلک رہے۔ انتظامی معاملات میں آپؒ حد درجہ محتاط رہتے تھے۔ آپؒ نے ہمیں کئی بار بتایا کہ انتظامی امور میں وہ دو اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ ایک امانت و دیانت اور دوسرا تحمل و برداشت۔

امانت و دیانت کے لحاظ سے آپ ضرب المثل تھے۔ تحمل و برداشت کا ملکہ بھی آپ کا غضب کا تھا۔ ایک مرتبہ اسلامی یونیورسٹی کے طلبہ نے آپ کے دفتر کا محاصرہ کر لیا اور صبح سے شام تک آپ کے دفتر کے سامنے دھرنا دے کر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر غازیؒ صاحب سکوت اور خاموسی کے ساتھ دفتر میں بیٹھے رہے۔ عشاء کے بعد جب طلبہ نے محاصرہ اٹھایا تو آپؒ دفتر سے نکل آئے۔ پورا دن یونیورسٹی کی انتظامیہ کو نہیں بتایا۔ حالانکہ ان دوں آپ نائب رئیس تھے اور صاحبِ اختیار تھے۔ ہمیں اس واقعہ کا علم ہوا تو بہت دکھ ہوا۔

غازی صاحب بنیادی طور پر یونیورسٹی کے پروفیسر تھے اور پروفیسر کے ساتھ طلبہ کا یہ سلوک بہت ناپسندیدہ تھا۔ ہم نے آپؒ کے دفتر جا کر ملاقات کی اور اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا۔ دورانِ گفتگو ہمارے ایک ساتھی نے کہا:

"ڈاکٹر صاحب ! آپ کم از کم حافظ بشیر صاحب کو اطلاع کر دیتے وہ آجاتے اور ان طلبہ کو سمجھا کر اٹھا دیتے۔"

ڈاکٹر غازی صاحب نے فرمایا:

"مسئلہ طلبہ کا نہیں تھا۔ مسئلہ ان حضرات کا تھا جو ان طلبہ کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ اگر میں مزاحمت کا راستہ اختیار کرتا تو ان کا مقصد پورا ہو جاتا۔ اخبارات میں سرخیاں لگ جاتیں یونیورسٹی کا Image خراب ہوتا اور مجھے بھی سرخیوں کا زینت بنایا جاتا۔ فرمایا:

میں تو فائدہ میں رہا۔ وہ لوگ باہر بیٹھے رہے میں اندر بیٹھ کر اپنا کام کرتا رہا۔ پڑھتا رہا۔ لکھتا رہا۔ عبادت کرتا رہا۔ میرا رویہ مثبت رہا ان کا منفی رہا۔ اب سارے لوگ ان کو برا بھلا کہتے ہیں۔ جو لوگ ان طلبہ کی Back پر تھے وہ اپنے مقصد میں ناکام رہ گئے۔"

حکومتی عہدہ و ذمہ داریاں:

۲۰۰۶ء میں جب ڈاکٹر غازی صاحب کی مدت صدارت پوری ہو گئی تو آپ کو کلیہ معارفِ اسلامیہ قطر کی طرف سے Offer آئی۔ آپ مزاجاً اسلام آباد کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے۔ یہاں کے کئی اداروں کے ساتھ آپ کا دیرینہ انسلاک اور وابستگی تھی۔ لیکن قسمت میں چونکہ قطر کا سفر اور وہاں کا قیام لکھا ہوا تھا اس لیے آپؒ نے بالآخر کلیہ معارفِ اسلامیہ کی Offer کو Accept کر لیا اور اسلام آباد کو خیر آباد کہہ دیا قطر میں رہ کر ڈاکٹر غازی صاحبؒ کو اپنی خالصغذا میسر آئی، آپ معاشرتی مصروفیات سے آزاد ہو گئے، آپ کو خلوت ملی، تنہائی ملی، طلبہ اور اسکالرز ملے اور بہت وسیع لائبریری ملی۔ ڈاکٹر صاحب نے قطر کے قیام کو بہت مفید بنایا اور ان اوقات و لمحات سے خوب استفادہ کیا، آپ بتاتے تھے کہ قطر میں ان کو نئی زندگی اور بہت سارے نئے جہات سامنے آئے۔

جب آپ قطر سے پاکستان تشریف لائے۔ یہاں اگرچہ آپؒ کی ذاتی مصروفیات تھیں لین اس کے باوجود کئی جامعات نے جب آپؒ کو دعوت دی تو آپ ان کے پروگراموں میں شریک ہوئے۔ جب قطر واپس جانے کی تیاریوں میں تھے تو وفاقی شرعی عدالت میں بطورِ جج آپ کا تقرر کیا گیا۔ اب آپؒ کے سامنے دو Choices تھے۔ یا تو قطر واپس جا کر بہت ساری مراعات، مفادات اور تسہیلات کے ساتھ زندگی گزاریں یا اسلام آباد میں رہ کر اپنے گھر میں عام معمول کی زندگی گزاریں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے ملک کی خدمت کو ترجیح دیتے ہوئے کلیہ معارفِ اسلامیہ، قطر کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور وفاقی شرعی عدالت کو بطور جج Join کیا۔ ڈاکٹر غازی صاحبؒ اس سے پہلے سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بینچ کے جج رہ چکے تھے اور اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی رہے تھے ان اداروں کی ساری ترتیب و ترکیب اور تخطیط میں آپ شامل رہے تھے۔ وفاقی شرعی عدالت میں بطور جج آنے کے بعد آپؒ کی خواہش تھی کہ اب محض تحقیق کے مجال تک اپنے آپ کو محدود رکھیں اور وہ بہت سارے منصوبے جو آپ کے ذہن میں تھے ان پر کام کریں۔

بحیثیت ماہر تعلیم:

دینی مدارس کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کی ایک ذاتی سوچ تھی۔ آپؒ کی یہ سوچ دینی مدارس اور کلیات و جامعات کے ساتھ ایک طویل عرصہ کے انسلاک کی پیداوار تھی۔ آپؒ چاہتے تھے کہ دینی مدارس کے نظام پر نظر ثانی کی جائے اور نصاب میں ترمیم و تخفیف کی جائے۔ دینی مدارس کی تعداد میں منطقی ترتیب پیدا کی جائے۔ ہر صوبے میں ایک مرکزی جامعہ ہو اور باقی مدارس اس کے ساتھ منسلک ہوں۔ تمام مدارس میں دورہ حدیث تک درجات نہ ہوں بلکہ بعض مدارس میں ابتدائی درجات ہوں۔ بعض متوسط اور محض ان مدارس میں موقوف علیہ اور دورہ حدیث کا درجہ ہو۔ جن کے پاس قابل اساتذہ اور مناسب وسائل موجود ہوں۔

۲۰۰۶ء میں جب ڈاکٹر غازی صاحبؒ مدرسہ تعلیم الاسلام (تبلیغی کالج) کراچی کی تقریبات میں ہمارے ساتھ تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء اور مہتممین مدارس کے سامنے آپؒ نے اپنا منصوبہ بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا۔ آپ کی خواہش تھی کہ وزارتِ مذہبی امور کا فنڈ ادھر ادھر خرچ ہونے کے بجائے دینی مدارس کی Up gradation پر خرچ ہو۔ لیکن یہ منصوبہ بھی بہت ساری حائل رکاوٹوں کی بناء پر کامیاب نہ ہو سکا۔

بحیثیت فقیہ:

دین اسلام کسی ایک ملک، قوم یا زمانے کے لیے مخصوص نہیں۔ اسلام تمام انسانیت کا دین ہے اور قرآن کریم انسانیت کے اسی دین کا ترجمان ہے۔ قرآن کی تعلیم عالمگیر اور ہمہ گیر ہے۔ جتنی کہ خود انسانیت ہے۔ مشیت ایزدی کا ظہور انسانیت کے تقاضوں کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔ قرآن چونکہ انسانیت کے انہی تقاضوں کا آئینہ دار ہے۔ اس لیے وہ خدا کا قانون ہے۔

دین اسلام کی اس آفاقیت کو برقرار رکھنے کے لیے علماء محققین اور فقہاء نے اہم کردار ادا کیا ہے اور اب بھی ان کی ذمہ داری ہے کہ بدلتے ہوئے دور کے تقاضوں کے مطابق فقہ کی تدوین کی جائے تاکہ عصری تقاضوں کے مطابق معاشرے کی تشکیل کی جائے اور مسلمانوں کی مجموعی ترقی کا سامان ہو سکے۔ فقہ کیا ہے؟ فقہ نے عرب کے رسم و رواج پر کیا اثر چھوڑا؟ عہد نبوی ﷺ میں فقہ کی کیا حیثیت رہی؟ فقہ کے بنیادی ماخذ کون سے ہیں؟ اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

لغوی تعریف:

"لفظ فقہ عربی زبان کا ایک لفظ ہے جس کا لغوی مادہ ف۔ق۔ھ ہے۔ اس مادہ کے معنی موضوع لہ یہ ہیں۔ سمجھ بوجھ اور کسی متکلم کے معنی مقصود کی تہہ تک پہنچ کر بات کو پوری طرح سمجھ لینا۔ کسی لفظ کے معنی موضوع لہ سے ہٹا کر یا ترقی دے کر اسے معنی مجاز، استعارہ یا معنی منقول عرفی اور معنی منقول فنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس وقت اس کے معنی مقصود وہی ہوتے ہیں جس کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہو۔"[4]

"فقہ جس کے لغوی معنی سمجھ اور دریافت کرنے کے ہیں لیکن دین اسلام میں اس علم کو کہتے ہیں جس یں زمانے اور حالات کے اعتبار سے امور دنیاوی، یعنی مناکحات، معاملات اور عقوبات سے بحث کی جاتی ہے۔ گویا فقہ ایک ایسا علم ہے جو انسان کے اعمال وافعال کی آزادی کی وسعت اور حدود سے بحث کرتا ہے۔ یعنی بالفاظ دیگر قانون کا مترادف ہے۔

اس کے لغوی معنی مسطر کے ہیں۔ لیکن اصطلاحاً "باہمی سلوک اور روابط کے مجموعہ اقدار" کا نام قانون ہے۔"[5]

فقہ کے معنی پہ اظہار خیال کرتے ہوئے غلام احمد پرویز لکھتے ہیں کہ:

"غور وفکر کرنا یا کسی چیز کو سمجھ لینا ہیں عام طور پر اس لفظ کا استعمال اس قسم کے غور وفکر کے لیے ہوتا ہے جس میں انسان محسوس مشاہدات سے مجرد حقائق کے متعلق کسی نتیجہ پر پہنچے۔ قرآن کریم میں علم و عقل، غور وفکر اور تفقہ کی بڑی تاکید آئی ہے۔۔۔۔ اب ہمارے ہاں فقہ کا لفظ اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اوراس سے مراد ہوتی ہے وہ احکام شریعت جن پر کسی خاص امام کے پیرو عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہ احکام ان ائمہ کے مرتب کردہ ہوتے ہیں۔ ان پر عمل کرنے والوں کے تفقہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا وہ ان پر تقلیداً عمل کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس قسم کی فقہ کا کوئی ذکر نہیں۔"[6]

قرآن حکیم میں لفظ فقہ ثلاثی مجرد کے مختلف صیغوں میں بار بار اور باب تفعل میں بھی ایک بار موجود ہے ۔جملہ بیس بار آیا ہے۔ جس کی کچھ مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

فَمَالِهَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا[7]

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ[8]

بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا[9]

قرآن مجید میں یہ مادہ جہاں کہیں آیا ہے اپنے اصل معنی موضوع لہ کے لیے آیا ہے۔ کہیں مجاز، استعارہ یا منقول الیہ معنی کے لیے نہیں آیا ہے۔ ہر جگہ اس کے ایک ہی معنی مقصود ہیں۔ یعنی بات کو اچھی طرح سمجھنا اور بات کی تہہ کو پہنچ کر معنی مقصود کو اچھی طرح سمجھ لینا۔

اصطلاحی تعریف:

علوم اسلامیہ کی اصطلاح میں علم الفقہ کہتے ہیں اس فن کو جس میں کسی صورت واقعہ پر اللہ و رسول کے حکم یا اس سے مستفاد کسی حکم شرعی کو بیان کر کے اس کی تطبیق صورت واقعہ پر کی جاتی ہے اور جو عالم یہ خدمت انجام دیتا ہے اسے اصطلاحاً فقیہ کہا جاتا ہے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف کتب فقہ میں کچھ یوں نقل کی گئی ہے کہ:

"المصطلح فعرفوه بالعلم الاحكام الشرعية الفرعية العلمية من حيث استنباطها من ادلتها التفصيلية"[10]

"اصطلاح میں فقہ کہتے ہیں احکام شرعیہ، فرعیہ، عملیہ کے سمجھنے اور جاننے کو باعتبار اس کے استنباط کے ادلہ تفصیلیہ سے۔"

فقہ کی کتابوں میں ایسے بہت سارے احکامات ملتے ہیں، جن کے لیے کوئی صریح حکم کتاب اللہ میں نہیں ملتا، اور نہ سنت رسول میں کوئی حکم ملتا ہے۔ اس وقت ایک فقیہ پوری دیانتداری سے اس کی سعی بلیغ کرتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس سلسلہ میں کوئی تعامل مل جائے اور انفرادی عمل نہ ہو، بلکہ اجماعی عمل قیاس ہمیشہ کسی ایسے واقعہ اور حکم پر کیا جاتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔ اس طرح ہر فقیہ کی یہ مخلصانہ اور دیانتدارنہ کوشش ہوتی ہے کہ اللہ و رسول کا کوئی حکم نہ ٹوٹے، اور صورت واقعہ جو پیش آئی ہے اس کا کوئی حل کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بموجب نکل آئے۔

ذیل میں فقہ اسلامی کے مختلف ادوار پر تفصیل پیش خدمت ہے۔

عہد نبوی ﷺ میں فقہ:

دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے اور معاشرے کی ہر طرح کی رہنمائی وحی کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور میں فرمائی۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ [11]

ترجمہ: اور وہ کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

آپ ﷺ نے ایک معلم کی حیثیت سے معاشرے کی زندگی کے جملہ مسائل میں رہنمائی فرمائی۔ اسی مقصد کے لیے آپ ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچنے کے ساتھ ہی ایک ادارہ صفہ کے نام سے قائم کیا تاکہ دین کے مختلف شعبہ جات کے حوالے سے تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے۔

"صفہ مسجد نبوی کا ایک مشہور تعلیمی ادارہ تھا۔ اگرچہ اس ادارے کا ایک استعمال یہ بھی تھا کہ نو مسلموں میں جن لوگوں کے رہنے سہنے کا نظم نہ تھا ان کی وہ سکونت گاہ تھی۔ لیکن اس سے زیادہ جو کام اس ادارہ سے عہد نبوت میں لیا جاتا تھا وہ زیادہ تر دین کے مختلف شعبوں کی تعلیم و تعلّم کا کام تھا، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوت کی اس تعلیم گاہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد بیک وقت کبھی کبھی اسی پچاسی تک پہنچ جاتی تھی۔" [12]

اسی ادارے سے جہاں معاشرے کے عام افراد کو بنیادی دینی تعلیمات سے بہرہ مند کیا جاتا تھا وہاں "مختلف رجحانات اور فطری مناسبتوں کا اندازہ کر کے مخصصین کی ایک جماعت بھی صحابہ میں آنحضرت ﷺ نے تیار کی تھی۔" [13]

"فقہ اسلامی کا دور اول عہد رسالت اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل ہے۔ اس دور کے ابتدائی حصے میں خود صاحب وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود تھے، قرآن مجید نازل ہو رہا تھا۔ جیسے جیسے ضرورت پیش آتی رہی۔ لوگ صورت واقعہ کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اور آپ یا تو وحی الٰہی سے یا خود اپنے اجتہاد سے حکم دے دیا کرتے تھے، جیسا کہ ہم قرآن مجید کی سورۃ مجادلۃ میں اور دوسری سورتوں میں فقہی احکام پاتے ہیں، یا صحیح احادیث مرفوعہ میں رسول اللہ ﷺ کے فتاویٰ دیکھتے ہیں۔

اس دور میں فقہ کے دو ہی ماخذ تھے ایک کتاب اللہ اور دوسرا قول، فعل یا اجازت رسول اللہ ﷺ جسے سنت رسول کہا جاتا ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر کسی صورت حال میں کوئی فتویٰ دیتے تھے تو صرف اس صورت میں دیتے تھے جب کہ خود رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف فرمانہ ہوتے تھے اور اس پر مزید اطاعت یہ تھی کہ جب وہ اس کے بعد حضور ﷺ کے سامنے حاضر ہوتے تو اپنے فتویٰ کی تصحیح و اصلاح رسول اللہ ﷺ سے کرا لیتے تھے۔"[14]

اس دور میں جو بھی مسائل سامنے آتے تھے اور واقعات پیش آتے تھے ان کے حوالے سے خود رسول اللہ ﷺ فیصلہ فرما دیتے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

"زماں آنحضرت ﷺ مردماں دربہ انواع علوم چشم برجال آنحضرت ﷺ وگوش برآواز دے می واشتند ہر چہ پیش می آمداز مصالح جہاد بدنہ وعقد جزیہ واحکام فقیہ وعلوم زہدیہ بہ ازاں حضرت ﷺ استفسار نودن۔"[15]

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہر قسم کے علم کے متعلق لوگوں کی نگاہیں آنحضرت ﷺ کے جمال مبارک پر جمی ہوئی تھیں ان کے کان حضور ﷺ کی آواز پر لگے ہوئے تھے جہاد کی مصلحتوں صلح وجزیہ کا معاہدہ، فقہی احکام، زہد کے متعلق علوم وغیرہ کے متعلق جو باتیں بھی پیش آتی تھیں سب کے متعلق آنحضرت ﷺ سے دریافت کر لیتے تھے۔

"رسول ﷺ پر آیات احکام یعنی فقہی آیتیں اکثر ان واقعات کے جواب میں نازل ہوتی تھیں جو اسلامی سوسائٹی میں پیدا ہو جایا کرتے تھے۔ یہی واقعات ہیں جن کو اسباب نزول کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔"[16]

محمد عربی ﷺ نے مکے میں اپنے رب کے حکم کو علی الاعلان بیان کیا۔ قرآن کریم کا نصف سے زائد حصہ ہجرت مدینہ سے قبل مکی دور ہی میں آپ ﷺ پر نازل ہوا اور جتنا قرآنی حصہ مکے میں نازل ہوا وہ فقہی قانون سازی پر زیادہ مبنی نہ تھا کیونکہ نزول قرآن کا اولین مقصود دعوت الی اللہ، توحید الٰہیاور ان مختلف معبودان باطلہ کا ابطال تھا جن کی لوگ اسلام سے قبل عبادت کیا کرتے تھے۔ قیام آخرت پر دلائل پیش کرنا اور دعوت الی اللہ کی راہ میں پیش آنے والے مصائب و مشکلات برداشت کرنے کے لیے سابق انبیاء و مرسلین کے مختلف واقعات کے ذریعے رسول اکرم ﷺ کو تسلی دینا ہے۔ جہاں تک تفصیلی قوانین کا معاملہ ہے تو اس کا بہت بڑا حصہ مدنی سورتوں میں نازل ہوا جو مجموعی طور پر قرآن کے تہائی حصہ سے کچھ زائد ہے۔" شیخ حضری کے مطابق قرآن کا مکی حصہ تقریباً ۱۹/۳۰

اور مدنی حصہ ۳۰/۱۱ ہے"۔[17]

مکی اور مدنی سورتوں کے درمیان مفسرین نے طرز بیان معانی اور مضامین کے اعتبار سے مختلف وجوہ فرق بیان کی ہیں۔ "مکہ مکرمہ میں جو آیات نازلہوئیں ہیں ان میں بیشتر میں کلیات دین کی تفصیل ہے توحید و نبوت، حشر و نشر، جزاء و سزا، انذار و تبشیر، اور تذکیر و تحذیر سے متعلق مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ جگہ جگہ حق تعالیٰ کی عظمت و ہیبت اوراس کے قہر و عذاب کی اہمیت بیان کی گئی۔ اوراہل جہنم کے احوال سنائے گئے۔ بار بار عبرت و نصیحت کے انداز میں خدا اور خدا کے پیغمبروں اورآخرت پر ایمان لانے کے لیے حکم دیا گیا، اور بار بار غور و فکر کی دعوت دی گئی کہ یہ لوگ خود اپنی عقل اور بصیرت سے حق کو سمجھ سکیں۔ بت پرستی کی مذمت اور دلائل توحید ایسے عبرت آموز طریقہ سے بیان کیے کہ ادنیٰ سمجھ رکھنے والے پر بھی یہ بات ظاہر ہو جائے کہ اپنے ہاتھوں سے گھڑے ہوئے بتوں کی عبادت کرنایقیناً انسان کی سب سے بڑی حماقت ہے۔ حقائق معنویہ کو کثرت سے امثال کے رنگ میں اس بیان فرمایا گیا کہ وہ معنوی حقیقت اور باطنی امر مشاہد و محسوس ہو کر نظروں کے سامنے نمایاں ہو جائے۔ پھر ان تمام امور کے لیے تعبیر بھی ایسی اختیار کی گئی کہ ہر ہر کلمہ اور ہر ہر ترکیب اپنے انداز سے دنیا کے مایہ ناز فصحاء وبلغاء اور شعراء و خطباء کو مقابلہ سے عاجز کر رہی تھی۔ اس لیے کہ ان آیات میں بالخصوص خطاب اہل مکہ کو تھا اور وہ اپنی شاعری اور فصاحت و بلاغت پر اس قدر نازاں تھے کہ اپنے قصائد بیت اللہ کی دیواروں پر ہل من مبارز (ہے کوئی مقابلہ کرنے والا) کے اعلان کے ساتھ لٹکایا کرتے۔ اس کے بالمقابل مدنی آیات میں مضامین نہایت سہل تعبیر اور واضح انداز میں بیان کیے گئے کیونکہ آیات مدنی میں اصل مخاطب اہل کتاب تھے اس وجہ سے حقائقکو بسط و تفصیل اور دلائل کے رنگ میں پیش کیا گیا اور بہت سی آیات میں ان کو مناظرہ کی دعوت دی گئی۔ ان کے حسد و عناد ، غرور و تکبر تلبیس بین الحق والباطل، کتمان حق اور تحریف آیات اللہ کو ظاہر کیا گیا۔ تورات وانجیل کے لیے مؤید ہونا بیان کیا گیا۔ اور تمام کتب سماویہ کا اصول دین میں اتفاق ظاہر کرتے ہوئے اہل کتاب کو ایمان باللہ والرسول کی دعوت دی گئی۔ اور یہ کہ تورات وانجیل پر ایمان رکھنے کا مقتضیٰ رسول آخر الزمان پر ایمان لانا اور قرآن کو تسلیم کرنا ہے۔ اس کے علاوہ آیات مدینہ کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ ان میں عبادات و معاملات سے متعلق احکام علیہ حلال و حرام کے مسائل کثرت سے ذکر کیے گئے۔ غزوات وغنائم احکام خراج وجزیہ کے مسائل اوراس کے مصارف، اصول مملکت کی تحقیق و توضیح کی گئی۔"[18]

فقہی احکام کی ایک کثیر تعداد اپنی قانون سازی میں ان واقعات سے متعلق تھی جو وقوع پذیر ہو چکے تھے، یا

ان سوالات سے متعلق تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضور ﷺ سے پوچھتے تھے۔ جب مسلمان آپ ﷺ سے مختلف امور و معاملات کے حوالے سے رجوع کرتے جو ان سے مخفی ہوتے تھے، تو آپ ﷺ کبھی تو اپنی رائے کے مطابق ان کی رہنمائی کرتے اور کبھی وحی الٰہی کا انتظار کرتے۔ وحی الٰہی بعض معاملات میں آپ ﷺ کی رائے سے برعکس ہوتی جیسا کہ اسیر ان بدر کے معاملے میں ہوا کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مشورے کو قبول کرتے ہوئے مشرکین سے فدیہ قبول کر لیا اور ان کے قتل کرنے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو قبول نہ کیا تو اس کے بعد یہ ارشاد الٰہی نازل ہوا:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآَخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ[19]

ترجمہ: کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس پاس قیدی ہوں جب تک وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔

ماخذ فقہ

فقہ کے عام طور پہ چار ماخذ بیان کیے جاتے ہیں:

1۔ قرآن حکیم

2۔ سنت رسول ﷺ

3۔ اجماع

4۔ قیاس

شریعت کے حوالے سے جتنی بھی قانون سازی کی جاتی ہے ان ہی دو بنیادی ماخذین کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور پھر اس کے بعد اجماع، قیاس، اجتہاد، استحسان کی جتنی صورتیں سامنے آتی ہیں وہ حالات و زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ جو مسائل سامنے آتے ہیں انہیں حل کیا جاتا ہے۔ لیکن قیاس، اجتہاد اور استحسان کی جو بھی نوعیتیں ہیں ان کے لیے بنیادی دو ماخذ قرآن و سنت ہی سے براہ راست یا کسی اور دلیل کے ذریعے استدلال کیا جاتا ہے۔ عموماً فقہاء کے ہاں

قرآن، حدیث، قیاس، اجماع چاروں احکام کو مستقل ماخذ تسلیم کیا جاتا ہے لیکن اس کے بارے میں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ:

"اصل ماخذ قرآن مجید ہے۔ حدیث قیاس اور اجماع قرآن کریم ہی سے ماخوذ اور مستنبط ہیں اور ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے۔"[20]

ذیل میں فقہ کا بنیادی اور اولین ماخذ قرآن حکیم کی تفصیل پیش خدمت ہے:

قرآن مجید:

قرآن حکیم فقہ کا اولین اور بنیادی ماخذ ہے۔ "قرآن" اصل میں لفظ قراۃ یعنی پڑھنا سے مشتق ہے۔ لہذا قرآن کا لغوی مطلب قراءت کرنا بنتا ہے۔ اس کی تعریف ایک ایسی کتاب کے طور پر کی جاسکتی ہے جس میں خدا کا کلام موجود ہے جو رسول ﷺ پر عربی زبان میں نازل اور تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ یہ حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے کا ثبوت، مسلمانوں کے مستند ترین رہنما کتاب اور ذریعہ کا اولین ماخذ ہے۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے اور کچھ کے خیال میں تو یہ واحد ماخذ ہے اور باقی تمام ماخذ قرآن کی توضیح ہی کرتے ہیں۔ اس تعریف میں اشارۃً مذکور قرآنی صفات کو مختصراً پانچ نکات میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ یا با تخصیص طور پر حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، اسے تحریر میں لایا گیا، یہ متواتر ہے، یہ خدا کا لاثانی کلام ہے اور اسے صلوٰۃ میں پڑھا جاتا ہے۔"[21]

قرآن حکیم کا نزول سورۃ العلق کی اس آیت سے ہوا:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ[22]

ترجمہ: "پڑھو اپنے رب کے نام سے۔"

اور قرآن حکیم کا اختتام سورۃ المائدۃ کی درج ذیل آیت سے ہوتا ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا[23]

ترجمہ: "آج میں پورا کر چکا تمہارے لیے دینتمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے دین اسلام کو دین۔"

مرحلہ وار نزول قرآن کی حکمت:

قرآن بتدریج تھوڑا تھوڑا سانازل ہوا۔ پہلے نزول کے بارے میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ۔ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ [24]

ترجمہ: "کوئی نہیں یہ قرآن ہے بڑی شان کا لکھا ہوا لوح محفوظ میں۔"

دوسرے نزول کے بارے ارشاد ربانی ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ [25]

ترجمہ: "ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں۔"

دوسرے مقام پہ فرمایا:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ [26]

ترجمہ: "ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں۔"

مذکورہ دونوں آیات یہ وضاحت کرتی ہیں کہ وحی کا دوسرا مرحلہ ایک ہی رات میں تکمیل پذیر ہوا۔ جو رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں سے ایک بیان کی جاتی ہے۔

"قرآن حکیم آخری تین مراحل میں ہیتھوڑا تھوڑا کر کرے نوع انسانی پر نازل ہوا یہ عمل تیئیس برس پر محیط تھا۔" [27]

حضرت محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود قرآن زبانی یاد کیا اس امر نے اس میں سہولت پیدا کی کہ قرآن تیئیس برس کے دوران مخصوص واقعات کے حوالے سے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا۔ قرآن خود مرحلہ بہ مرحلہ نزول کی منطق ان الفاظ میں واضح کرتا ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا [28]

ترجمہ: "اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اترا اس پر قرآن سارا ایک جگہ ہو کر۔ اسی طرح اتارا تاکہ

ثبت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر۔"

"قرآن حکیم کی سب سے چھوٹی سورۃ الکوثر تین اور سب سے لمبی سورۃ البقرۃ دو سو چھیاسی آیات پر مشتمل ہے۔ ہر سورت کا الگ عنوان ہے۔ طویل ترین سورتیں شروع میں اور چھوٹی آخر میں ہیں۔ ہر سورت کے اندر آیات کی اور خود سورتوں کی ترتیب دوبارہ دی گئی اور انجام کار محمد ﷺ نے اپنی عمر مبارک کے آخری برس میں اسے حتمی صورت دی۔ اس ترتیب کے مطابق قرآن کا آغاز سورۃ الفاتحۃ اور اختتام سورۃ الناس پر ہوتا ہے۔"[29]

دوسرے مقام پہ ارشاد فرمایا:

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا[30]

ترجمہ: اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے جدا جدا پڑھے تو اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور اس کو ہم نے اتارتے اتارتے اتارا۔"

قرآن حکیم کے مرحلہ وار نزول کا فائدہ اہل ایمان کو یہ ہوا کہ انہوں نے اسے ازبر کر دیا اور ایک مسلسل روحانی بالیدگی اور مضبوطی کے حوالے سے تربیت کا عمل بھی جاری رہا۔ اس کے علاوہ مرحلہ وار نزول کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ "اس عہد کے عربوں کی وسیع پیمانہ پہ ناخواندگی کے پیش نظر اگر سارا قرآن ایک ہی بار میں نازل ہو جاتا تو وہ اسے سمجھنا مشکل پاتے۔"[31]

قرآنی نزول کی ترتیب احکامات اس وقت کے حالات وضرویات کے مطابق تھی۔

"ابتداء میں ساری توجہ چھوٹے عقائد اور توہمات کی تردید پر مرکوز ہے۔ یہ اسلام سکھانے کے اگلے مرحلے کی تیاری تھی جس کا تعلق اساسی عقیدے اور اسلام کے نظام اقدار سے تھا، پھر اصول ہائے عبادت بتائے گئے جن کے ذریعہ معاملات کے قواعد کی بھرپور توضیح ہوگئی لیکن یہ تدریج کے نظری پہلو کا محض ایک وسیع تربیان ہے۔۔۔۔ قرآن کا ایک خاصہ بڑا حصہ ان سوالات کے جواب میں نازل ہوا جو لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے وقتاً فوقتاً پوچھے اور ان واقعات کے حوالے سے بھی جو زمانہ وحی کے دوران پیش آئے۔ تدریج نے مسلمانوں اور حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی کا موقعہ فراہم کیا۔ آخر میں نسخ کا موضوع آتا ہے یعنی حالات میں تبدیلی کی وجہ سے کسی سابقہ حکم کو منسوخ کرکے نیا حکم آنا۔ یہ امر بھی قرآن کے مرحلہ بہ مرحلہ نزول کے ساتھ منسلک ہے۔ چنانچہ

لوگوں کی زندگیوں سے مربوط معاملات کے حوالے سے قرآنی قانون سازی یک دم نافذ نہ ہوئی۔ یہ ٹکڑوں میں نازل ہوئی تاکہ کوئی مشکل نہ پیش آئے۔"[32]

شراب کے استعمال پہ پابندی قانون سازی کے بتدریج قرآنی طریقہ کار کی دلچسپ مثال پیش کرتی اور قانون سازی کے وظیفے اور فطرت کی جانب سے قرآن کے رویئے پہ روشنی ڈالتی ہے۔ اس حوالے سے قرآن حکیم کی درج ذیل ملاحظہ فرمائیں:

"يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا"[33]

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا، کہہ دے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اوران کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدہ سے۔

"اس زمانے میں شراب نشے میں پڑنے کی اجازت تھی۔"[34]

اس کے بعد شراب نوشی پہ مکمل طور پہ پابندی عائد کر دی گئی اور انہیں شیطان کا کام قرار دیا گیا اس حوالے سے ارشاد خداوندی ہوا:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"[35]

ترجمہ: اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔

علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن کا سار متن متواتر ہے یعنی ہمہ گیر طور پر قبول شدہ شہادت کے ذریعہ اس کی معتبریت ثابت شدہ ہے۔ یہ نسل در نسل حافظے اور تحریری صورت میں بھی موجود رہا ہے۔ چنانچہ

"قرآن کی مختلف قراءتوں کی معتبریت ثابت کرنے کے لیے تواتر سے کم کوئی بھی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔"[36]

سنت یا حدیث کو فقہ کا دوسرا ماخذ تسلیم کیا جاتا ہے۔"سنۃ کا لفظی مطلب راستہ یا اچھی طرح چلا ہو راستہ ہے، لیکن یہ اصطلاح مروج دستور یا طے شدہ طرز عمل کے معنوں میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ سنۃ یا سنت کوئی اچھی یا بری مثال بھی ہو سکتی ہے۔ اور کوئی فرد یا فرقہ یا برادری کوئی سنت قائم کر سکتی ہے۔ قبل از اسلام عرب میں عرب لوگ برادری کے قدیم اور جاری دساتیر کے لیے سنت کی اصطلاح استعمال کرتے تھے جو انہیں اپنے اجداد سے ورثے میں ملی تھی۔ لہذا کہا جاتا ہے کہ عرب کے قبل از اسلام ہر قبیلے کی اپنی اپنی سنت تھی جسے وہ اپنی شناخت اور تفاخر کی بنیاد سمجھتے تھے۔"[37]

سنت کا متضاد بدعت ہے، جس سے مراد سابقہ مثال اور ماضی سے تعلق کا نہ ہونا ہے۔ قرآن میں لفظ سنت اوراس کی جمع سنن متعدد موقعوں پر استعمال ہوا ہے۔(کل سولہ مرتبہ) ان تمام مثالوں میں سنت سے مراد کوئی جانا مانا طرز عمل یا دستور ہے۔"[38]

قرآن حکیم کی درج ذیل آیات جن میں لفظ سنت کا استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"سُنَّۃُ الْاَوَّلِین"[39]

ترجمہ: ان پر رسم پہلوں کی۔

"لِسُنَّۃِ اللہ"[40]

ترجمہ: اللہ کی رسم۔

"سُنَن"[41]

ترجمہ: روایات، اندازہائے حیات۔

"سولہ جگہوں پہ سنۃ اللہ آیا ہے۔"[42]

"علمائے حدیث کی نظر میں آنحضرت ﷺ سے روایت کردہ تمام باتیں، آپ ﷺ کے افعال، اقوال اور پسندیدہ باتیں سب سنت ہیں۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کے خدوخال اور اوصاف بیان کرنے والی تمام روایات

بھی سنت کہلاتی ہیں۔ تاہم فقہ کے علماء مؤخر الذکر کو سنت شمار نہیں کرتے۔"[43]

قرآن حکیم میں سنت النبی کی اصطلاح استعمال نہیں ہوئی۔ لیکن اس کے متبادل طور پر "اسوہ حسنہ" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ قرآن کی آیت ملاحظہ فرمائیں:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"[44]

ترجمہ: رسول اللہ کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

"قرآن کے بعد سنت شریعت کا دوسرا مرکزی ماخذ ہونے کے ناطے مجتہد کو قرآن و سنت کی فوقیت کے درمیان ترجیح کا خیال رکھنا لازمی ہے۔ چنانچہ کسی مخصوص مسئلے کا حل تلاش کرتے وقت فقیہ کو صرف سنۃ کی طرف رجوع کرنا چاہئے جب وہ قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے میں ناکام ہو جائے۔ اگر قرآن میں متن واضح ہو تو اس پر ہی عمل کرنا چاہئے۔ اور اسے سنت کی کسی بھی متضاد مثال پر اولیت دینا ہو گی۔ سنت پر قرآن کی اولیت جزا اس امر کا نتیجہ ہے کہ سارا قرآن وحی ظاہر پر مشتمل ہے۔"[45]

فقہ کے دوسرے ماخذ یعنی حدیث کے متعلق اہل علم میں اختلافات موجود ہیں۔

"کچھ لوگ اسے اس معنی میں دین کا ماخذ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ قرآن کے ہم پلہ ہے اور اسے وحی غیر متلو ،مثلہ معہ، جیسی اصطلاحات سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک کا روشن خیال طبقہ جسے متجدد دین کا گروہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔ حدیث کی دینی حیثیت کا منکر ہے وہ اسے محض تاریخ کی حیثیت دیتا ہے۔"[46]

اجماع امت:

اجماع فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ ہے۔

"اسلام کے قانونی تصورات میں سب سے زیادہ اہم ہے۔"[47]

"اجماع عربی لفظ اجمع کا Verbal Noun ہے جس کے دو مطلب ہیں: تعین کرنا اور کسی چیز پر متفق ہونا، اول الذکر کی ایک مثال اجمع فلاں علی کذا ہے، یعنی فلاں فلاں نے فلاں کا فیصلہ کیا۔ اجمع کا یہ استعمال قرآن و حدیث دونوں میں ملتا ہے۔ مؤخر الذکر کا مطلب "مکمل اتفاق رائے" ہے اس لیے کہا جاتا ہے۔ اجمع القوم علی کذا، یعنی لوگ

فلاں فلاں پر متفق الرائے ہو گئے۔ اجماع کا دوسرا مطلب عموماً اول الذکر کو بھی اپنے اندر شامل کرلیتا ہے۔ لہذا جب بھی کسی چیز پر اتفاق رائے موجود ہو تو اس پر فیصلہ بھی موجود ہو گا۔ فیصلہ واحد یا کئی افراد بھی کر سکتے ہیں۔ جب کہ متفقہ فیصلہ صرف متعدد افراد کے ذریعے ہو سکتا ہے۔"[48]

"اجماع کی تعریف کسی بھی دور کی (آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد) امت مسلمہ کے مجتہدی کے کسی بھی معاملے میں متفقہ فیصلے کے طور پر کی جاتی ہے۔ اس تعریف میں مجتہدین کا ذکر عام لوگوں کے اتفاق رائے کو اجماع کے دائرے سے خارج کر دیتا ہے۔ اسی طرح "کسی بھی دور کے مجہتدین" سے مراد وہ دور ہے جس میں متعدد مجتہدین اکھٹے ہوئے ہوں۔ چنانچہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ایک یا زائد مجتہدین واقعے کے بعد دستیاب ہوئے ہوں۔ تعریف میں "کسی بھی معاملے میں " سے مراد یہ ہے کہ اجماع کا اطلاق تمام شرعی، عقلی اور عرفی و لغوی معاملات پر ہوتا ہے۔"[49]

اجماع صرف آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد ہی واقع ہو سکا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی زندگی میں شریعت پر آپ ﷺ ہی واحد اعلی ترین سند تھے، چنانچہ دوسروں کا اتفاق یا اختلاف کوئی اثر نہیں ڈالتا تھا۔

"ہر امکانی اعتبار سے اجماع پہلی بار مدینہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان واقع ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم پیش آنے والے مسائل پر آپس میں صلاح و مشورہ کیا کرتے تے۔ اوران کا اجتماعی اتفاق رائے امت نے قبول کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد یہ قائدانہ کردار تابعین کو مل گیا اور پھر تبع تابعین کو، مؤخر الذکر جب کسی نکتے پر اختلاف کا شکار ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے خیالات و طرز عمل سے رجوع کیا۔ اس طرح نظریہ اجماع ترقی کے لیے ایک زرخیز زمین بن گئی۔ اجماع کا جوہر خیالات کی فطری نشوونما میں ہے۔ اس کا آغاز انفرادی فقہاء کے ذاتی اجتہاد سے اور اختتام خاص مدت کے لیے مخصوص رائے کی ہمہ گیر قبولیت پر ہوتا ہے۔ اتفاق رائے پیدا ہو جانے تک اختلافات کو برداشت کیاجاتاہے اوراس دوران امت پر کوئی خیالات زبردستی لاگو کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔"[50]

اس تصور پر صدر الاسلام میں نظری اعتبار سے خوب خوب بحثیں ہوتی رہیں۔ لیکن عملاً اس کی حیثیت ایک خیال سے آگے نہیں بڑھی۔

"ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ممالک اسلامیہ میں یہ تصور ایک مستقل ادارہ کی صورت اختیار کرلیتا۔ شاید اس لیے

کہ خلیفہ چہارم کے بعد جب اسلام میں مطلق العنانی ملوکیت نے سر اٹھایا تو یہ اس کے مفاد کے خلاف تھا کہ اجماع کو ایک مستقل تشریعی ادارے کی شکل دی جاتی۔ اموی اور عباسی خلفاء کا فائدہ اسی میں ہی تھا کہ اجتہاد کا حق بحیثیت افراد مجتہدین ہی کے ہاتھ میں رہے۔ اس کی بجائے کہ اس کے لیے ایک مستقل مجلس قائم ہو۔"[51]

شریعت کی نشوونما میں اجماع ایک اہم کردار ادا کرتا ہے، فقہ کا موجودہ مجموعہ اجتہاد اوراجماع کے طویل عمل کی پیداوار ہے۔ چونکہ اجماع امت کی زندگی میں خیالات کے فطری ارتقاء اور قبولیت کو منعکس کرتا ہے، اس لیے اجماع کا بنیادی نظریہ کبھی بھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ یہ خیال کہ اجماع کا سلسلہ تبع تابعین کے بعد سے رک گیا تھا، شاید اجتہاد کا در بند کرنے کی غرض سے پیدا ہوا۔ چونکہ اجماع کا منبع اجتہاد میں ہے، لہٰذا اجتہاد کا دروازہ بند ہونے سے اجماع کا سلسلہ بھی ختم تصور کر لیا گیا۔

"قرآن وسنت کے برعکس اجماع الوحی الہام میں براہ راست شریک نہیں۔ ایک عقیدے اور شریعت کے ثبوت کی حیثیت میں اجماع بنیادی طور پر ایک منطقی ثبوت ہے۔ اجماع کی تھیوری اس نکتے پر واضح نہیں ہے کہ اجماع کو دیئے گئے اعلیٰ رتبے کی نوعیت کا تقاضہ ہے کہ صرف ایک مطلق اور ہمہ گیر اتفاق رائے ہی مانا جائے گا۔ البتہ اجماع کے منطقی مواد پر مطلق اتفاق رائے حاصل کرنا مشکل ثابت ہوا ہے۔"[52]

وقوع پذیری کے انداز کی بنیاد پر اجماع کی دو اقسام تمیز کی گئی ہیں:

الاجماع الصریح: جس میں ہر ایک مجتہد اپنی رائے بول کر یا اشارے سے دیتا ہے۔

الاجماع السکوتی: جس میں کسی مخصوص دور کے کچھ مجتہدین کسی واقعے کے حوالے سے واضح رائے دیتے ہیں جب کہ بقیہ خاموش رہتے ہیں۔"[53]

اجماع کی سند:

اجماع کی سند کی تعریف شرعی ثبوت کے طور پر کی جاتی ہے جس پر مجتہدین نے اپنے اجماعی اصول کی بنیاد کی حیثیت میں انحصار کیا ہو، اجماع کے لیے سند ضروری ہے کیونکہ

"سند کے بغیر یہ محض رائے بن کر رہ جائے گا۔ علماء کی اکثریت کے مطابق اجماع کی بنیاد متن کی کسی اتھارٹی یا اجتہاد میں ہونی چاہئے۔ علامہ الامدی نے نشاندہی کی ہے کہ امت کا کسی ایسی چیز پر متفق ہونا خلاف قیاس

ہے۔ جس کی ماخذوں کوئی بنیاد موجود نہی ہو۔ علماء اس بارے میں متفق ہیں کہ اجماع کی بنیاد قرآن یا سنت پر ہو سکتی ہے۔"[54]

قیاس:

قیاس فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ ہے۔ اس کا مطلب" قانون سازی میں مماثلتوں کی بناء پر استدلال سے کام لیا جائے۔"[55]

قیاس کا لغوی مطلب "ناپنا یا لمبائی، وزن یا کسی چیز کے معیار کا اندازہ لگانا ہے، اسی لیے ترازو کو مقیاس کہتے ہیں۔ چنانچہ عربی جملے "قامۃ الثوب بالاذراع" کا مطلب ہے: کپڑا گز سے ناپا گیا۔ قیاس کا مطلب موازنہ بھی ہے۔ دو چیزوں کے درمیان برابری یا مشابہت بتانے کے نکتہ نظر سے۔ چنانچہ "زید یقاس علی خالد عقلہ و نسبہ۔" کا مطلب ہے کہ زید ذہانت اور نسب میں خالد کے ساتھ موازنہ رکھتا ہے۔ لہذا قیاس دو چیزوں کے درمیان برابری یا قریبی مشابہت کا پتہ دیتا ہے، جن میں سے ایک کسوٹی بنا کر دوسری کو پرکھا جاتا ہے۔

تکنیکی لحاظ سے قیاس کا مطلب کسی شرعی اصول کو اصل سے نئی صورت میں لانا ہے، کیونکہ مؤخر الذکر کی علت بھی سابق الذکر والی ہے۔ اصل صورت ایک مخصوص متن سے منضبط ہوتی ہے، اور لگتا ہے کہ قیاس نئی صورت پر بھی وہی حکم نافذ کرے گا۔

اصل اور نئی صورت میں علۃ مشترک ہونے کی وجہ سے ہی قیاس کا اطلاق یا جواز ہے۔ قیاس سے رجوع اسی صورت میں جائز ہے جب نئی صورت کا حل قرآن، سنت یا قطعی اجماع میں نہ ملتا ہو۔ کیونکہ ایسی صورت میں قیاس سے رجوع کرنا بے کار ہو گا جب کوئی پہلے سے موجود قانون نئی صورت کا حل پیش کر سکتا ہو۔ نصوص اور اجماع کے دائرے سے باہر معاملات میں ہی قیاس کی مدد سے ان ماخذوں سے قانون مستنبط کیا جا سکتا ہے۔"[56]

فقہاء کے ہاں لفظ قیاس کبھی کبھی ایک عام اصول کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ آپ کو اکثر ایسے بیانات ملتے ہیں کہ فلاں فلاں حکم ثابت شدہ قیاس کے متضاد ہے۔

حوالہ جات باب سوم

[1]۔ ماہنامہ الشریعہ۔ گوجرانوالہ جنوری فروری ۲۰۱۱

[2]۔ ایضاً

[3]۔ ایضاً

[4]۔ عبید اللہ بن الحسین الکرخی، امام، اصول الکرخی، مترجم عبد الرحیم اشرف بلوچ، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۴۰۲ھ، ص ۳

[5]۔ تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین اسلام، جلد ۳، ص ۸۳۴، اسلام آباد ۱۹۶۹ء

[6]۔ پرویز، تبویب القرآن، لاہور، طلوع اسلام، ۱۹۷۷ء، ص ۱۱۰۴

[7]۔ القرآن: ۴ سورۃ النساء، آیت ۸۸۷

[8]۔ القرآن: سورۃ التوبہ، آیت ۱۲۲۱۲۲

[9]۔ القرآن: ۱۵، ۴۸

[10]۔ ہدایہ اولین

[11]۔ القرآن: سورۃ الجمعۃ، آیت ۲

[12]۔ مناظر احسن گیلانی، مولانا، مقدمہ تدوین فقہ، مکتبہ رشیدیہ، کراچی۔

[13]۔ ایضاً: ص ۹۴

[14]۔ عبید اللہ بن الحسین الکرخی، امام، اصول الکرخی، (مترجم: عبد الرحیم اشرف بلوچ)، محولہ بالا، ص ۶

[15]۔ الدسوقی، ڈاکٹر، امام محمد بن حسن شیبانی اوران کی فقہی خدمات، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۸۷

[16]۔ محمد الخضری، علامہ، تاریخ فقہ اسلامی، محولہ بالا، ص ۱۲

[17]۔ خضری، امام، تاریخ التشریع الاسلامی، قاہرہ، ۱۹۳۰ء، ص ۸

[18]۔ محمد مالک، مولانا، التحریر فی اصول التفسیر، کراچی، قرآن محل، س ن، ۳۵ تا ۳۶

[19]۔ القرآن: سورۃ الانفال۔ آیت ۶۷۷

[20]۔ قمر احمد عثمانی، مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ، لاہور، دوست ایسوسی ایٹس، ۱۹۶۶ء، ص ۸۳

[21]۔ کمالی، محمد ہاشمی، اسلامی فقہ کا انسائیکلوپیڈیا (مترجم: یاسر جواد)، ص ۲۹، نگارشات، لاہور، ۲۰۰۹ء

[22]۔ القرآن: سورۃ العلق، آیت ۱۱

[23]۔ القرآن: سورۃ المائدہ، آیت ۳

[24]۔ کمالی، محمد ہاشمی، اسلامی فقہ کا انسائیکلوپیڈیا(مترجم: یاسر جواد) محولہ بالا، ص ۳۰

[25]۔ القرآن: سورۃ القدر، آیت ۱

[26]۔ القرآن: سورۃ الدخان، آیت ۲

[27]۔ کمالی، محمد ہاشمی، اسلامی فقہ کا انسائیکلوپیڈیا(مترجم: یاسر جواد) محولہ بالا، ص ۳۰

[28]۔ القرآن: ۲سورۃ الفرقان، آیت ۳۲۳۲

[29]۔ کمالی، محمد ہاشمی، اسلامی فقہ کا انسائیکلوپیڈیا(مترجم: یاسر جواد) محولہ بالا، ص ۳۰

[30]۔ القرآن: سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۰۶۱۰۶

[31]۔ کمالی، محمد ہاشمی، اسلامی فقہ کا انسائیکلوپیڈیا(مترجم: یاسر جواد) محولہ بالا، ص ۳۲

[32]۔ ایضاً: ص ۳۲تا۳۳

[33]۔ القرآن: سورۃ البقرۃ، آیت ۹۲۱۹

[34]۔ کمالی، محمد ہاشمی، اسلامی فقہ کا انسائیکلوپیڈیا(مترجم: یاسر جواد) محولہ بالا، ص ۳۳

[35]۔ القرآن: سورۃ المائدہ، آیت ۹

[36]۔ کمالی، محمد ہاشمی، اسلامی فقہ کا انسائیکلوپیڈیا(مترجم: یاسر جواد) محولہ بالا، ص ۳۳

[37]۔ سرور، پروفیسر، ارمغان شاہ ولی اللہ، لاہور، سندھ ساگر اکیڈمی، ۱۹۹۷ء، ص ۳۶تا ۵۷

[38]۔ کمالی، محمد ہاشمی، اسلامی فقہ کا انسائیکلوپیڈیا(مترجم: یاسر جواد) محولہ بالا، ص ۶۳

[39]۔ ایضاً، ص ۶۳

[40]۔ القرآن: ۱سورۃ فاطر، آیت ۴۴

[41]۔ القرآن: سورۃ النساء، آیت ۳۲۶

[42]۔ القرآن: سورۃ الاحزاب، آیت ۶۲۷

[43]۔ کمالی، محمد ہاشمی، اسلامی فقہ کا انسائیکلوپیڈیا(مترجم: یاسر جواد) محولہ بالا، ص ۶۳

[44]۔ ایضاً: ص ۶۳ تا ۶۴

[45]۔ القرآن: ۳سورۃ الاحزاب، آیت ۱۲۱

[46]۔ قمر احمد عثمانی، مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ، لاہور، محولہ بالا، ص ۶۳

[47]۔ ایضاً، ص ۲۹

[48]۔ ایضا، ص

[49]۔ کمالی، محمد ہاشمی، اسلامی فقہ کا انسائیکلوپیڈیا(مترجم: یاسر جواد) محولہ بالا، ص

[50]۔ ایضاً، ص۲۰۶

[51]۔ قمر احمد عثمانی، مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ، لاہور، محولہ بالا، ص۲۹ تا ۳۰

[52]۔ کمالی، محمد ہاشمی، اسلامی فقہ کا انسائیکلوپیڈیا (مترجم: یاسر جواد) محولہ بالا، ص۲۰۳

[53]۔ ایضاً، ص۲۲۱

[54]۔ ایضاً، ص۲۴

[55]۔ قمر احمد عثمانی، مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ، لاہور، محولہ بالا، ص۳۴

[56]۔ کمالی، محمد ہاشمی، اسلامی فقہ کا انسائیکلوپیڈیا (مترجم: یاسر جواد) محولہ بالا، ص۲۳۳

باب چہارم

دعوت و تبلیغ کی سرگرمیاں

دعوت و تبلیغ کی سرگرمیاں

خدمات سیرت

سیرت نگاری درحقیقت اس عقیدت اور محبت کا اظہار ہے جو مسلمانوں کو اپنے آقا حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے ہے۔[1]

سیرت نگاری کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کے غزوات کے بارے میں تفصیلات پر مشتمل تالیفات کو ابتدائی دور میں "سیر" یا "سیرت" کا عنوان دیا جاتا تھا اور جن کتب میں ایسا مواد شامل ہوتا ہے وہ "مغازی" کے نام سے مشہور تھیں۔

"مغازی" پر باقاعدہ پہلی تصنیف محمد اسحاق طلبی کی ہے جو ایک تابعی ہیں۔ یہ کام دوسری صدی میں ہوا۔ اس کے بعد "سیرت ابن ہشام" کے نام سے ایک جامع کتاب امام محمد بن عبد المالک المعروف ابن ہشام کی ہے۔[2]

سیرت نگاری کا فن چوتھی صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک عروج پر رہا اور عربی زبان میں بے شمار اور عربی زبان میں بے شمار کتب منظر عام پر آئیں ۔ اس کے بعد یہ سلسلہ مختلف ناموں سے مثلاً مغازی، شمائل، خصائص، خطبات نبوی، بعثت، واعلام نبوت کے نام سے نظم و نثر کی صورت میں جاری رہا۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ دنیا میں کسی شخصیت کے بارے میں اتنا نہیں لکھا گیا جتنا سرکار مدینہ ﷺ کی شان میں صرف مسلمانوں نے ہی نہیں غیر مسلم مصنفین نے بھی لکھا۔ قرآن کریم کا یہ دعویٰ اس پہلو کی نشاندہی کرتا ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ[3]

اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کسی اور نبی نے نہیں آنا لہٰذا آپ ﷺ کی تعلیمات کو قیامت تک باقی رکھنا مقصود تھا اور دوسری بات کہ آپ ﷺ کسی مخصوص علاقہ گروہ یا کسی محدود وقت کے لیے نبی نہ تھے بلکہ آپ ﷺ کی بعثت کے بارے میں ارشاد ہے:

تصانیف:

تدریس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر غازی صاحب کا تعلق قلم و قرطاس کے ساتھ برابر قائم رہا۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کا عربی مجلہ "الدراسات الاسلامیہ" ۱۹۸۱ء سے آپ کے زیر ادارت چھپتا رہا۔ اس مجلہ نے آپ کی ادارت کے دور میں نمایاں ترقی کی۔ ۱۹۸۷ء تک آپ مسلسل اس کے مدیر رہے۔ آپ نے مدیر کی حیثیت سے "الدراسات الاسلامیہ" کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کرایا۔ عربی زبان کے ساتھ فطری اور قلبی لگاؤ کی بناپر آپ ہر ایک مقالہ کو خود پڑھتے تھے اور تفصیل کے ساتھ ایڈٹ کرتے تھے۔ شروع میں "کلمہ العدد" کے عنوان سے اداریہ لکھتے تھے۔ ان ادارتی نوٹوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر غازی صاح کو اس دور میں عربی محاورہ کے استعمال پر کتنا عبور حاصل تھا۔

۱۹۸۴ء میں آپ کو "فکر و نظر" کی ادارت کی ذمہ داری ملی۔ "فکر و نظر" ادارہ تحقیقات اسلامی کے آرگن کی حیثیت سے مشہور ہے۔ شروع شروع میں اس میں ہر نوع کے مقالات چھپتے تھے۔ ڈاکٹر غازی صاحب نے اسے باقاعدہ Stream Line کیا۔ اس کے معیار پر بھرپور توجہ دی۔ جس کی وجہ سے "فکر و نظر نے تحقیقی مجلات کی صف میں ایک نمایاں حیثیت اختیار کرلی۔

۱۹۸۸ء میں جب دعوۃ اکیڈمی کے اندرونی امور اور معاملات میں پیچیدگی اور تناؤ پیدا ہوا اور اس تناؤ نے بالآخر گھمبیر شکل اختیار کرلی تو یونیورسٹی کی انتظامیہ نے دعوۃ اکیڈمی کے مدیر عام کی حیثیت سے ڈاکٹر غازی کا انتخاب کیا۔ مجھ اب تک وہ دن یاد ہے جب ڈاکٹر غازی صاحب بہت سادگی کے ساتھ دعوۃ اکیڈمی کے دفتر واقع کراچی کمپنی تشریف لائے۔ ہم لوگوں نے آپ کا استقبال کیا آپ سیدھے آڈیٹوریم تشریف لے گئے۔ دعوۃ اکیڈمی کے تمام رفقاء کو جمع کیا گیا۔ آپ نے بہت بجچے تلے انداز میں خطاب کیا اور بتایا کہ دعوۃ اکیڈمی کے تقریباً تمام پروگراموں سے انہیں پوری طرح واقفیت حاصل ہے۔ وہ کوشش کریں گے کہ دعوۃ اکیڈمی کو مزید Promotion ملے اور اس کی Projection قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہو۔ بعد میں ڈاکٹر غازی صاحب نے مدیر عام کے دفتر میں بیٹھ کر ہمارے ساتھ خصوصی نشست کی اس نشست میں آپ نے بتایا کہ بنیادی طور پر آپ کا تعلق کتاب اور قلم و قرطاس سے ہے۔ یونیورسٹی انتظامیہ نے آپ کو فائلوں کے ڈھیر کی طرف بھیجا ہے اور کہنے لگے کہ آپؒ حسبِ معمول قلم و

قرطاس کے ساتھ اپنے تعلق کو برقرار رکھیں گے۔ ڈاکٹر غازی صاحب نے جب دعوۃ اکیڈمی کے مدیر عام کی حیثیت سے قلم دان سنبھالا تو اس وقت دعوۃ اکیڈ میمیں تین شعبے کام کر رہے تھے۔ ایکشعبہ تربیت ائمہ دوسرا شعبہ اسلامی خط وکتابت کورسز اور تیسرا شعبہ میڈیا۔ آپ نے وقت کے ساتھ ساتھ تربیتی پروگراموں کو بڑھایا مثلاً آرمی آفیسرز کے لیے تربیتی پروگرام شروع ہوا۔ اساتذۃ کے لیے ورکشاپس کا سلسلہ شروع ہوا۔ اہل صحافت کے لیے مختصر دورانیے کے پروگرام منعقد ہونا شروع ہوئے۔ بچوں کے ادب کا شعبہ قائم ہوا۔ بین الاقوامی تربیت ائمہ کے پروگرام کا آغاز ہوا۔ دعوۃ اسٹڈی سینٹر قائم کیا گیا۔ "دعوہ" کے نام سے اردو میگزین اور Da'wah Highlights کے نام سے انگریزی میگزین کا اجراء ہوا۔ دعوتی پروگراموں کا سلسلہ بین الاقوامی سطح تک بڑھایا گیا۔ امریکہ ،برطانیہ، جرمنی کے علاوہ افریقہ اور یورپ کے کئی ممالک میں دعوتی پروگراموں کا انعقاد پورے تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔

تصانیف کا تعارف:

ڈاکٹر محمود احمد غازی شعبہ تصنیف میں ایک خصوصی مقام رکھتے تھے، علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت ہی آپ کی زندگی کا ہدف تھا اور اس ہدف کے حصول کے لیے آپ نے تحریر و تقریر کو ذریعہ بنایا، آپ نے مختلف موقعوں پر مختلف ادوار میں خطبات ارشاد فرمائے جن میں آپ نے قیمتی معلومات اپنے سامعین کو فراہم کیں۔ قلم و قرطاس کے ساتھ آپ کا تعلق اوائل عمری ہی میں قائم ہوا اور پھر تاحینِ حیاتتصنیف و تدوین کا سلسلہ جاری رہا۔ اردو، عربی اور انگریزی زبان میں کئی ایک قابل قدر کتب مدون کیں۔ اس کے علاوہ تحقیقی اور علمی رسائل و جرائد میں آپ کے سینکڑوں مقالات شائع ہوئے تصنیف کے شعبہ میں فقہ اوراسلام کا قانون بین الممالک آپ کی خصوصی دلچسپی کے موضوع تھے۔ ہر ایک موضوع پر آپ کا کام انتہائی تحقیقی اور وقیع نوعیت کا ہے۔ آپ کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے آپ کو قدیم اور جدید علوم و فنون میں کس قدر مہارت اور بصیرت عطا کی تھی۔

ڈاکٹر مرحوم کے افکار و نظریات کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ آپ معتدل مزاج کے مالک تھے۔ آپ کی طبیعت قدیم اور جدید نظریات کا مرقع تھی، آپ کی اعتدال پسندیآپ کی تصانیف میں نمایاں نظر آتی ہے

آپ نے اپنی تصانیف میں دین و دنیا کی تفریق کے تصور کو اسلام کی روح کے منافی قرار دیا ہے۔ دینی مدارس میں جدید عصری علوم کی تدریس کے لیے جو اقدامات تجویز کیے گئے وہ اسی نظریہ کے تناظر میں شامل ہیں۔

دینی علوم و تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت وغیرہ کے علاوہ جن موضوعات کو آپ نے احاطہ تحریر میں لایا ان میں علم الکلام، اسلامی ریاست کے خدوخال، معیشت و تجارت، اسلام اور مغرب، علامہ اقبال کی شاعری، اسلامی بینکاری، مسلمانوں کا نظام تعلیم جیسے اہم مضامین شامل ہیں۔

فاضل مصنف کی تصانیف کو مختلف گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک قسم آپ کے محاضرات کی ہے جو آپ نے مختلف اداروں کے تعاون سے ارشاد فرمائے جنہیں بعد میں صوتی تسجیل سے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا گیا اور مختلف پبلشرز نے شائع کیے۔ سلسلہ محاضرات ہی آپ کی شہرت کا سبب بنا۔

دوسری قسم کی کتب وہ ہیں جنہیں آپ نے خود باقاعدہ طور پر تالیف کیا اور کتابی شکل میں شائع کیا اس کے علاوہ تصنیف کے شعبہ میں آپکا کام مختلف قسم کی کتب کی تقدیم، متعدد زبانوں میں تراجم اور کئی ایک کتب کے تعارف اور تبصرے کی شکل میں موجود ہے۔

اس باب میں ڈاکٹر موصوف کی چیدہ چیدہ تصانیف کا مختصر تعارف پیش کیا جائے گا۔ اس سے قبل آپ کی تصانیف کی فہرست شامل کی جاتی ہے جو اردو، عربی اور انگریزی کتب پر مشتمل ہے۔

اردو کتب:

۱۔	محاضرات قرآنی	۲۔	محاضرات حدیث
۳۔	محاضرات سیرت	۴۔	محاضرات فقہ
۵۔	محاضرات معیشت و تجارت	۶۔	محاضرات شریعت
۷۔	ادب القاضی	۸۔	اسلامی شریعت اور عصر حاضر
۹۔	خطبات کراچی	۱۰۔	قرآن ایک تعارف

۱۱۔	مسودہ قانون وقصاص ودیت	۱۲۔	محکمات عالم قرآنی
۱۳۔	قواعد فقہیہ	۱۴۔	احکام بلوغت
۱۵۔	اصول فقہ	۱۶۔	اسلام اور مغرب
۱۷۔	اسلامی بینکاری	۱۸۔	تقنین الشریعۃ

عربی کتب

۱۔ تحقیق وتعلیق السیر الصغیر
۲۔ القرآن الکریم المعجزۃ العالیۃ الکبریٰ
۳۔ یا ام الشرق
٤۔ تاریخ الحرکۃ المجددیۃ

انگریزی کتب:

1. The Hijra
2. An Analytical Study of the Sanusiyyah Movement.
3. Renaissance and Revivalism in Muslim India.
4. The Shorter Book on Muslim International Law.
5. State and Legislation in Islam.
6. Prophet of Islam: His life and works
7. Qadianism[4]

محاضرات قرآنی:

سلسلہ محاضرات کی اولین تصنیف ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر غازیؒ کے ان خطبات پر مشتمل ہے جو آپ نے اسلام آباد میں اپریل۲۰۰۳ء میں ارشاد فرمائے۔ان خطبات کا اصل محرک ڈاکٹر غازی کی چھوٹی بہن محترمہ عذرا نسیم ہیں جنھوں نے درس قرآن کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر اس سلسلہ کا انتظام کیا۔ ان خطبات کی اولین مخاطب راولپنڈی، اسلام آباد کی تعلیم یافتہ خواتین ہیں جو درس قرآن کے پروگراموں میں دلچسپی سے شرکت کرتی رہتی ہیں۔ لیکن عموما درس قرآن کے اجتماعات میں جو خواتین مدرسات یہ خدمات انجام دیتی ہیں ان کا تعلیمی پس منظر خالص دینی علوم میں تخصص کا نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے درسِ قرآن کی ان مجالس میں بعض پہلوؤں میں تشنگی رہ جاتی ہے۔ڈاکٹر غازی نے ان خطبات میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

ان خطبات کی زبان تحریری نہیں بلکہ تقریری تھی۔ بعد میں محترمہ عذرا نسیم فاروقی نے صوتی تسجیل سے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا اور الفیصل پبلشرز نے لاہور سے کتابی شکل میں پبلش کیا۔

محاضرات قرآنی بارہ ابواب پر مشتمل ایک تصنیف ہے جو قرآن پاک کے اہم اور بنیاد مضامین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

تدریس قرآن اور قرآن پاک کی نشرو اشاعت کا سلسلہ نزول قرآن کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اولین مدرس تھے اورانہوں نے قرآن کی تعلیم و تفہیم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو قرآن کے سانچوں میں ڈھالا۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی قرآن پاک کی درس و تدریس کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ اوررسول اللہ ﷺ کے بعد بہترین مفسرین قرآن یہی حضرات تھے۔ ان میں حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کے دور میں تفسیر اور علوم القرآن کو محفوظ رکھنے کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دیں، ان میں حضرت مجاہد، حضرت سعید بن جبیر، حضرت عکرمہ، حضرت عطاء بن ابی رباح اور حضرت قتادہ کے نام مفسرین کی فہرست میں امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ تفسیر قرآن کے سلسلے میں مختلف رجحانات دیکھنے میں آئے۔ مثلاً تفسیر بالماثور، ایسی تفسیر جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات کو جمع کیا ہو۔ اس کا سب سے بڑا اور قدیم ماخذ تفسیر

طبری ہے اس کے علاوہ تفسیر میں دوسرا رجحان تفسیر کا لغوی اورادبی رجحان ہے۔ اس سلسلہ کی اولین کتاب "مجازالقرآن" کے نام سے مشہور ہے۔ تیسرا رجحان تفسیر بالرائے کا ہے۔ جس میں مفسر اپنی رائے اور بصیرت کے مطابق قرآن کی تفسیر کرے۔ اس کے بارے میں مختلف رائے پائی جاتی ہے کہ یہ ذرائع مستند ہے یا نہیں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اپنی کتاب محاضرات قرآنی میں تفسیر اور مفسرین قرآن کے عنوان پر ایک طویل بحث شامل کی ہے۔ اس کے علاوہ مطالعہ قرآن کی ضرورت واہمیت پر ایک نئے اسلوب سے گفتگو کی ہے۔ آپ نے اپنی تقریر میں مطالعہ قرآن مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے لیے بھی ضروری قرار دیا کیونکہ مطالعہ قرآن سے انسانی تاریخ اور انسانی نفسیات جیسے اہم علوم میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ قرآن حکیم کی جمع وتدوین، تفسیر اور علم تفسیر، قرآن کا نزول، اعجاز القرآن اور مفسرین قرآن جیسے اہم عنوانات کتاب کا خاصہ ہیں۔

جدید دور میں مطالعہ قرآن کے تقاضے اور ضروریات کے نام سے ایک مفصل مضمون آپ کے خطبات کا حصہ ہے۔ مسلمانوں کے تعلیمی نظام میں قرآنی تعلیمات کو عملی طور پر نافذ کرنے کی سفارش کی ہے۔ اس کے علاوہ ریاستی سطح پر تمام قوانین کی بنیاد بھی قرآن حکیم کی تعلیمات پر ہونی چاہئے۔ مضامین قرآن کے سلسلہ میں ڈاکٹر غازی کا نظریہ ہے کہ انسان کی دنیاوی واخروی زندگی کی اصلاح ہی اصل میں قرآن کا مضمون ہے۔ وہ تمام امور جو بالواسطہ یابلاواسطہ انسان کی حقیقی کامیابی کے ضامن ہیں ان سب سے قرآن مجید میں بالواسطہ یابلاواسطہ بحث کی گئی ہے۔

محاضرات قرآنی کی افادیت کو ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"ان محاضرات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت قاری پر عیاں ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے قرآنی علوم پر لکھے جانے والے علمی ذخیرہ کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ قرآن مجید کے علوم اور مضامین پر اردو زبان میں لکھی جانے والی کتب میں محاضرات قرآنی سہل اور سلیس انداز میں عمدہ اضافہ ہے۔ محاضراتِ قرآنی میں قرآن مجید کی عمومیت، شمولیت، اکملیت اور آفاقیت کو نہایت عمدہ اور سہل انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔[5]

محاضرات قرآنی کی اہمیت عصری تقاضوں کی روشنی میں بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر ثناءاللہ رقمطراز ہیں:

"محاضرات قرآنی میں قرآنیات کے حوالے سے تقریباً تمام موضوعات کا احاطہ کرنے اور طویل اور دقیق

موضوعات کو مختصر اور عام فہم انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں محاضرات قرآنی کا مطالعہ عام قاری کو دوسری بہت سی کتب سے مستغنی کرتا ہے وہاں ایک محقق کے علمی سفر کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔ ایک مدرس کے لیے انداز تدریس کا سامان بھی فراہم کرتا ہے۔ علوم القرآن کے موضوعات کو بنیادی ماخذ کی روشنی میں عصر جدید کی ذہنی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر زیرِ بحث لایا گیا ہے۔"[6]

زیر نظر کتاب کا مطالعہ قرآن پاک کے معلم اور متعلم کے لیے یکساں اہمیت کا حامل ہے کیونکہ ڈاکٹر غازی نے مطالعہ قرآن کے ضمن میں تمام بنیادی امور کو جامع انداز سے سمونے کی کوشش کی ہے۔

علوم القرآن کے موضوع مولانا تقی عثمانی کی تصنیف "علوم القرآن" ایک شہرہ آفاق کتاب ہے جس میں وحی کی حقیقت، تفسیر و تاویل کے لغوی و اصطلاحی مفہوم، نزول قرآن، ناسخ و منسوخ، حفاظت قرآن سے متعلق شبہات اوران کا جواب، مضامین قرآن، چند عظیم مفسرین کرام اور ان کی تفاسیر کا مختصر تعارف بیان کیا گیا ہے۔ عنوانات کے لحاظ سے یہ کتاب محاضرات قرآنی سے کافی مشابہت رکھتی ہے۔ کتاب ھذا کا مطالعہ اگر محاضرات قرآنی کے تناظر میں کیا جائے تو محاضرات قرآنی کے امتیازی خصائص کا علم ہوتا ہے کیونکہ ڈاکٹر غازیؒ نے اپنے محاضرات میں جدید دور کی ضروریات اور تقاضوں کو بھی موضوع بنایا ہے۔

محاضرات قرآنی کے مطالعہ سے ان مصادر و مآخذ کا اندازہ ہوتا ہے جن سے فاضل مصنف نے استفادہ کیا، شاہ عبد العزیز، مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا احمد علی لاہوری کے دروس قرآن کے اسالیب اور مناہج کو بھی کسی حد تک مآخذ و مصادر کا درجہ دیا گیا مصنف نے اپنے محاضرات میں شاہ ولی اللہ کی کتاب الفوز الکبیر فی علم التفسیر کا بار بار تذکرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر بیان القرآن، مولانا مفتی محمد شفیع کی معارف القرآن بھی بنیادی مآخذ ہیں۔

اللہ کے ہاں استدعا ہے کہ مصنف کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

محاضرات حدیث:

محاضرات حدیث ڈاکٹر محمود احمد غازی کی شہرہ آفاق کتب میں سے ایک ہے۔ اس سے قبل محاضرات

قرآنی کی عنوان سے ایک تالیف شائع ہو چکی ہے۔ جس میں علوم قرآنی، تاریخ قرآن، کتاب وحی اور تفسیر قرآن جیسے موضوعات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس میں حدیث، لغوی و اصطلاحی مفہوم، علوم حدیث، تدوین حدیث اور محدثین حضرات کے مختلف انداز بیان پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

محاضرات حدیث دراصل ان خطبات پر مشتمل ہے جو ڈاکٹر غازی نے ادارہ "الھدیٰ" کے تعاون سے ادارہ الھدیٰ میں ارشاد فرمائے ان خطبات کی تعداد بارہ ہے جو ۲۰۰۳ء میں ارشاد فرمائے گئے۔ ان خطبات کو حسین الحق حقانی نے کمپوز کر کے کتابی شکل میں ترتیب دیا اور الفیصل پبلیکیشنز نے ۲۰۰۵ء میں لاہور سے شائع کیا اور اب تک اس کتاب کے چھ ایڈیشن آ چکے ہیں۔ اس سے اس کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کتاب کا مقدمہ خود ڈاکٹر غازی نے تحریر کیا اور مقدمہ میں کتاب کے چیدہ چیدہ مقاصد کی نشاندہی کی۔

محاضرات حدیث کے بارہ خطبات کی مخاطب خصوصا وہ خواتین ہیں جو اہل علم اور قرآن کریم کی درس و تدریس سے کسی نہ کسی واسطہ سے منسلک ہیں اور ظاہر بات ہے کہ فہم قرآن کے لیے حدیث و سنت کی ضرورت و اہمیت سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ مقدمہ میں ڈاکٹر غازی نے نہایت عجز و انکساری سے اپنی کم علمی کا اعتراف کیا ہے جو کہ اعلیٰ ظرفی کی ایک مثال ہے۔ کتاب کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام سے کیا گیا اس کے بعد حدیث کا تعارف ایک نئے اسلوب میں کرایا گیا۔

حدیث اور سنت کے اصطلاحی مفہوم میں محدثین کے مابین پائے جانے والے اختلافات پر پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کے مدلل جوابات ارشاد فرمائے۔ احادیث کی مختلف اقسام، احادیث کے جواب اور احادیث کی مستند کتب پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی۔

حدیث کے ضمن میں علم اسماء الرجال کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ علم حدیث میں یہ مشکل ترین مضمون ہے۔ مذکورہ کتاب میں ڈاکٹر غازی نے اس عنوان پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ راویوں کی شخصیت، کردار کے بارے میں تفصیلات درج ہیں اور کسی راوی کی روایت کردہ حدیث کے قابل قبول ہونے یا ناقابل قبول ہونے کی شرائط اور اصول و قواعد پر ایک طویل گفتگو شامل ہے۔

تدوین حدیث کے سلسلہ میں پانچ ادوار کا ذکر کیا گیا ہے۔ تدوین حدیث در حقیقت اس عقیدت اور محبت کا اظہار ہے جو اہل ایمان کو اپنے نبی ﷺ سے ہے۔ جس محنت اور کاوش سے یہ اہم کارنامہ انجام پایا انسانی تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ تدوین حدیث کے سلسلہ میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کے مدلل جوابات شامل ہیں ۔

ہر باب کے آخر میں لوگوں کی جانب سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے جن سے حدیث کے موضوع پر دریافت کے نئے اسلوب پیدا ہوتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں علم حدیث کو نئے دور کے مسائل سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ علوم حدیث میں تحقیق و جستجو کی آج بھی ضرورت ہے آج بھی ان علوم میں تحقیق کے ایسے گوشے موجود ہیں جو اہل علم اور طلبہ حدیث کی توجہ کے مستحق ہیں۔

عصر حاضر کا یہ تقاضا ہے کہ احادیث کے بنیادی ماخذ سے ایسی احادیث جمع کی جائیں جو ایک موضوع سے متعلق ہوں۔ خصوصاً ایسے مجموعے تیار کیے جائیں جو جدید مسائل کے متعلق ہوں۔

کتاب کی امتیازی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر تاج الدین ازہری نے ان الفاظ کا استعمال کیا ہے:

"محاضرات حدیث، حدیث اور متعلقہ علوم کا ایک بہترین گلدستہ ہے جس میں ڈاکٹر غازی مرحوم نے محاضرات دیتے وقت اس فن سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات دینے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اس فن سے متعلق شبہات دور کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور مخالفین کے اعتراضات کا ذکر کر کے ان کا مدلل رد کیا ہے۔ حدیث کی مختلف تعریفوں میں تطبیق دی ہے۔[7]

کتاب کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم حدیث بہت سے علوم وفنون کا سرچشمہ ہے۔ ان میں علم کلام، فقہ، اصول فقہ، علم تاریخ اور علم سیرت قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر غازی نے اپنی کتاب میں حدیث کے سائنسی معلومات کی روشنی میں مطالعہ کی افادیت کا ذکر بھی کیا ہے اور ایسے حقائق کا ذکر کیا جو رسول اللہ ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے بیان کر دیئے تھے۔ لیکن عصر حاضر کا سائنسدان آج ان تک رسائی حاصل کر پایا ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے اس کے ماخذ ومصادر کا اندازہ ہوتا ہے جن میں علامہ عبدالغنی مقدسی کی

کتاب "الکمال فی اسماء الرجال" جو فلسطین سے شائع ہوئی اسی طرح علامہ یوسف المزی کی کتاب "تھذیب الکمال فی اسماء الرجال" اور علامہ ابن عساکر کی کتاب "تاریخ دمشق" شامل ہیں۔ تفسیری حوالہ جات کے لیے علامہ ابن جریر طبری کی تفسیر طبری قابلِ ذکر ہیں۔ جب کہ احادیث کے حوالہ جات کے لیے صحاح ستہ میں سے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کو بطور بنیادی مآخذ استعمال کیا گیا۔

محاضرات شریعت:

سلسلہ محاضرات کی پانچویں کتاب محاضرات شریعت ہے۔ یہ کتاب بھی ڈاکٹر غازی کے بارہ خطبات پر مشتمل ہے۔ ان خطبات کی ایک امتیازی بات یہ بھی ہے کہ یہ خطبات اسلام آباد اور دوحہ (قطر) میں مختلف اوقات میں مختلف مجالس میں ارشاد فرمائے گئے۔ خطبات حسب معمول تقریری انداز میں دیئے گئے اور مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد الفیصل پبلشرز نے لاہور سے کتابی شکل میں شائع کیے۔

شریعت کا جامع تعارف پیش کرنے میں ڈاکٹر غازی نے اس کے اہداف کی نشاندہی کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ اسلامی شریعت کو امت مسلمہ کے عالمگیر کردار کے پسِ منظر میں دیکھا جائے۔ اسلامی شریعت، مسلم معاشرہ کی تشکیل میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔

عصر حاضر میں شریعت کے بارے میں کچھ غلط فہمیوں نے جنم لیا۔ لا مذہب طبقہ کا خیال ہے کہ شریعت ایک قدیم نظام ہے جو اپنی افادیت کھو چکا ہے لہذا اس روشن خیال دور میں اس پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ ہماری بد قسمتی کہ دنیائے اسلام میں حکمرانوں کی اکثریت کا تعلق بھی اسی طبقہ سے رہا ہے اس لیے شریعت کے بارے میں اس طبقہ کے تحفظات ہیں۔ ایسے حالات میں ان شکوک وشبہات کا موثر جواب ناگزیر تھا۔ ڈاکٹر غازی نے اپنی کتاب میں انہی مقاصد کا تعین کیا ہے۔

خطبات کراچی:

یہ تصنیف بھی ڈاکٹر غازی کے ان محاضرات پر مشتمل ہے جو آپ نے مولانا سید زوار حسین شاہ کی یادگار میں دارالعلم والتحقیق کراچی میں ارشاد فرمائے۔ ان کا آغاز ۲۰۰۷ء میں ہوا اور ہر سال ایک خطبہ کا اہتمام کیا

جاتا رہا۔ ابتدائی چار خطبات ڈاکٹر غازی نے ارشاد فرمائے۔ آپ کے سانحہ ارتحال کے باعث یہ روایت ڈاکٹر سید سلیمان ندوی کے ہاتھوں جاری رہی۔

یہ خطبات اہم ترین موضوعات پر تھے۔ ان اہمیت کے پیش نظر ڈاکٹر سید عزیزالرحمن نے ابتدائی طور پر مختلف کتابچوں کی شکل میں شائع کیا اور بعد میں ان محاضرات کو ایک مجموعے کی شکل میں مدون کیا اور "خطباتِ کراچی" کے نام سے فروری ۲۰۱۲ء میں زوار اکیڈمی کراچی سے شائع کیا۔

محاضرات معیشت وتجارت:

سلسلہ محاضرات کی چھٹی کڑی ہے یہ محاضرات ۲۰۰۹ء کو دوحہ (قطر) میں ارشاد فرمائے گئے۔ ان خطبات کے مخاطبین تعلیم یافتہ حضرات تھے جن میں سے اکثرت تجارت وکاروبار سے منسلک تھی۔ خطبات کو ڈاکٹر غازی کی بیٹی محترمہ حفصہ غازی نے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا اور محمد فیصل نے الفیصل ناشران لاہور سے اپریل ۲۰۱۰ء کو شائع کیا۔

کتاب بارہ محاضرات پر مشتمل ہے جو ۴۵۹ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ کتاب کا مقدمہ ڈاکٹر غازی نے تحریر کیا جس میں آپ نے ان محاضرات کی ضرورت واہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس طرح آج سے کچھ دہائیاں قبل سیاست اور ریاست کے معاملات اہمیت کے حامل تھے آج کے دور میں معاشی نظریات انسان کی توجہ کا مرکز ہیں اور جب سے عالمگیریت کا تصور متعارف ہوا ہے دنیا کی تمام اقوام کو اپنی اقتصادیات ومعاشیات کو مستحکم بنانے کی فکر دامن گیر ہونے لگی کمیونزم اور سرمایہ داری نظام کی ناکامی کے باعث اسلام کی معاشی تعلیمات اپنا مقام بنارہی ہیں۔ اقوام عالم کی دلچسپی اسلام کے معاشی نظام میں نظر آنے لگی حالات کے ان تناظر میں اس امر کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ اسلام کے مالیاتی نظام کا ایک واضح تصور دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہ محاضرات اسی ضرورت کی ایک کڑی ہے۔

State and Legislation in Islam.

ڈاکٹر غازیؒ کی انگریزی تصنیف آپ کی انگریزی زبان میں مہارت کی آئینہ دار ہے۔ شریعہ اکیڈمی، اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے شائع ہوئی، ۲۰۰٦ء میں اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔

کتاب پانچ ابواب میں منقسم ہے، جو ۱۷۹ صفحات پر محیط ہیں۔ کتاب کے پیش لفظ میں ڈاکٹر غازیؒ نے اسلامی ریاست کا عمومی تعارف پیش کیا، اس موضوع پر اس سے قبل ہونے والے کام کا تذکرہ بھی کیا۔ ڈاکٹر غازیؒان دنوں اسلامی یونیورسٹی میں طلباء کو اسلام کے دستوری نظریئے کے بارے میں پڑھایا کرتے تھے اور اس مقصد کے لیے اس موضوع پر کئی مضامین تحریر کیے، موجودہ کام دراصل انہیں مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے زیادہ کا تعلق آج کے سیاسی اورآئینی اصولوں کے تناظر میں اسلامی ریاست کے تصور اور نوعیت سے ہے ڈاکٹر موصوف نے اس امید کا اظہار کیا کہ اسلامی سیاسی وآئینی نظریات کے طلباء کے لیے بالخصوص اورعام قارئین کے لیے بالعمومذکورہ کتاب دلچسپی کا باعث ہوگی۔

ڈاکٹر محمد طاہر منصوری(سابق ڈائریکٹر شعبہ تحقیق واشاعت ،شریعہ اکیڈمی اسلام آباد) نے تقدیم کے عنوان سے ڈاکٹر غازیؒ کی مساعی کو سراہاہے۔ تالیف کے مقاصد کاذکر کرتے ہوئے لکھاہے کہ بلاشبہ اس موضوع پر اس سے قبل بہت کچھ لکھاگیاہے، لیکن کچھ نکات اب بھی تشنہ ہیں، اس ایڈیشن میں اسی تشنگی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کے آغاز میں ڈاکٹر فدا محمد خان(سابق جج وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد) نے مصنف کا تعارف مختصر الفاظ میں پیش کیا، اور مذکورہ تصنیف کی اہمیت کے بارے میں لکھا کہ کتاب میں اسلام کے نظریہ ریاست اورآئین سازی کے بارے میں تحقیقی مواد شامل ہے جو خصوصاً مغرب میں اسلام کے بارے میں پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کے ازالے کا باعث ہو سکتاہے۔

تراجم:

ادب القاضی:

لفظ قضاء کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو لازمی قرار دینا، فیصلہ کرنا اور اصطلاحی مفہوم میں قضاء سے مراد عدالتی فیصلہ ہے جو کسی مستند حاکم کی طرف سے جاری ہوا ہو اور اس پر عمل کرنا ضروری ہو۔

ادب القاضی سے مراد وہ امور اور احکام ہیں جن کو شریعت نے پسند کیا ہو۔ عدل و انصاف کا نفاذ، ظلم و زیادتی کی حوصلہ شکنی اور شرعی حدود کی پاسداری یہ تمام امور ادب القاضی میں داخل ہیں۔

فقہ اسلامی درحقیت اسلام قانون کی ایک شکل ہے۔ اس میں زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے مکمل راہنمائی موجود ہے فقہ اسلامی کے تمام عنوانات مثلاً عبادات، معاملات، اسلام کا فوجداری قانون، اسلام کا قانون بین الاقوام اور اسلام کا دستوری قانون وغیرہ پر جداگانہ تصانیف موجود ہیں۔ تصنیف و تالیف کی تاریخ کا جہاں ذکر ہوتا ہے وہاں ادب القاضی اور اس کے مختلف علوم و فنون کے آغاز و ارتقاء کا ذکر بھی ملتا ہے۔

رشید قاضی ابو یوسف جو امام اعظم کے شاگرد ہیں اور ایک معروف فقیہ گزرے ہیں، انہوں نے اپنی تصنیف اپنے شاگردوں سے تحریر کرائی لیکن بدقسمتی یہہے کہ یہ کتاب حوادث زمانہ کا شکار ہو گئی اور ہم اس سے مستفید نہ ہو سکے۔ تیسری صدی سے اس موضوع پر مختلف نامور فقہاء نے کتابیں تالیف کیں۔ مثلاً قاضی ابو عبد اللہ نے دہ کتابیں لکھیں (1)۔ کتاب ادب القاضی۔(2) کتاب المحاضر والجلاد۔ اور قاضی ابو جعفر احمد بن اسحاق نے کتاب ادب القاضی لکھی۔ لیکن یہ کتب تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہو کر رہ گئیں۔ اس عنوان پر قدیم ترین کتاب جو آج دستیاب ہے وہ امام ابو بکر احمد بن عمرو کی کتاب ادب القاضی ہے۔

اردو زبان میں ادب القاضی کے عنوان پر پہلی کتاب "فتاویٰ عالمگیری" کا اردو ترجمہ ہے۔ دوسری کتاب "ہدایہ" ہے۔ جو کہ علامہ برہان الدین کی کتاب کی اردو شرح ہے۔ ان کے علاوہ اصول فقہ اسلامی، اسلام کا قانون شہادت، اسلام کا نظام عدالت اس عنوان کی معروف کتابیں ہیں۔[8]

ادب القاضی از ڈاکٹر محمود احمد غازی:

ادارہ تحققات اسلامی نے ایک سلسلہ "تراجم و مصادر قانون اسلامی" کے نام سے شروع کیا زیر نظر کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مصنف نے سادہ اور قابل فہم زبان میں عنوان کی وضاحت و بلاغت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ قانون اور وکالت سے وابستہ حضرات کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے تمام قوانین، دیوانی و فوجداری جداگانہ انداز میں ترتیب دئے ہیں۔

قانون اور عدالت کے موضوعات کے متعلق آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ کو مناسب ترتیب دی گئی۔ قرآنی آیات کے ترجمہ کے لیے شاہ عبد القادر، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کے تراجم سے استفادہ کیا گیا۔ احادیث نبوی ﷺ اور مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کے تراجم سے استفادہ کیا گیا۔ احادیث نبوی ﷺ کے لیے صحاح ستہ کو مستند ذرائع کے طور پر استعمال کیا گیا۔ موطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی سے احادیث کے حوالہ جات دیئے گئے۔ ثانوی ماءخذ میں چند اہم اردو تفاسیر کو شامل کیا گیا، جن میں موضح القرآن از شاد عبد القادر دہلوی، بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی، تفہیم القرآن از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اور تدبر القرآن از مولانا امین احسن اصلاحی قابل ذکر ہیں۔ اسلام کے عدالتی نظام، ثبوت، گواہی اور دعویٰ وغیرہ کے بارے میں احادیث کے ضمن میں اتنا مواد شامل کیا گیا ہے جو اس شعبہ سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لیے کافی ہو گا۔ اسلام کے نظام قضاء کے بارے میں مذاہب اربعہ کے نظریات بیان کیے ہیں۔ مختلف امور کے بارے میں ائمہ اربعہ کے نظریات کا تقابلی جائزہ پیش کیا اور جن مسائل کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف زیادہ واضح نہیں وہاں صرف حنفی نقطہ نظر بیان کیا گیا۔ اسلامی نظام قضاء کی فرضیت و اہمیت واضح کرنے کے لیے غیر اسلامی حکومت کے نظام قضاء کا مختصر خاکہ بھی پیش کیا گیا قاضی کے لیے مقرر معیار اور شرائط کا ذکر بھی شامل ہے۔ نظام قضاء کے ساتھ ساتھ احتساب کا ذکر کرتے ہوئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری بھی ریاست کو سونپی گئی ہے، اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ منکرات کو طاقت کے زور سے روکے۔

آخر میں ایک مثالی اسلامی ریاست کے قیام کے لیے تجاویز مرتب کی گئیں۔ اس کے لیے خلافت کے نظام کو ضروری قرار دیا اور ایک اسلامی ریاست کے فرائض اور ذمہ داریوں کا تعین کیا گیا۔

زیر نظر کتاب شعبہ قانون سے وابستہ جج صاحبان، وکلاء، طلبہ قانون اور اسلامی شریعت کے میدان میں کام کرنے والوں کے لیے ایک گراں قدر تحفہ ہے۔

ادب القاضی ایسی گراں قدر تصنیف ہے جس کا ڈاکٹر غازی کے تعارف اور شہرت میں اہم کردار ہے۔ ڈاکٹر غازیؒ کے فقہ سے فطری تعلق کا اظہار اسی تالیف سے ہوتا ہے۔

ادب القاضی کی اشاعت اول اسی عہد میں ہوئی جب پاکستان میں اسلامائیزیشن کا آغاز ہو رہا تھا(7)۔

کتاب السیر الصغیر:

امام شیبانی کی تصنیف "کتاب السیر الصغیر" ایک شہرہ آفاق کتاب ہے، ڈاکٹر غازی نے اس کتاب کے متن کی تدوین کی اور انگریزی میں ترجمہ بھی کیا، اس کام کے لیے آپ نے جن مصادر و مآخذ سے استفادہ کیا ان میں "الکافی فی فروع الحنفیہ" جو امام حاکم کی کتاب ہے اور دوسری امام سرخسیؒ کی کتاب "المبسوط" ہے۔ ڈاکٹر غازیؒ نے ان دو کتابوں کے دقیع مطالعہ اور تقابلی جائزہ کے ذریعہ السیر الصغیر کا ایک مستند متن تیار کیا۔

Qadianism

آپ کی یہ تصنیف ختم نبوت کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے۔ فاضل مصنف نے رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کو واضح کرتے ہوئے غلام احمد قادیانی کے جھوٹے دعوے کی دوالفاظ میں تردید کی۔ قادیانیوں کی مختلف تنظیموں کے کردار پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی۔

The Life And Work Of The Prophet Of Islam:

یہ کتاب سیرت النبی ﷺ کے متعلق ہے، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد نے شائع کی۔ کتاب کے مصنف ڈاکٹر حمید اللہ ہیں جنہوں نے یہ کتاب فرانسیسی زبان میں تالیف کی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

اس کے علاوہ کچھ انگریزی کتب اور بھی ہیں جن میں سے بعض شائع ہو چکی ہیں اور بعض ابھی زیر طبع ہیں۔ اردو زبان میں آپ کی کتاب اصول فقہ، فقہ کے شعبہ میں اہمیت کی حامل ہے جس میں آپ نے پاکستان کے آئین و قانون کو خصوصی طور پر موضوع بنایا۔ پاکستانی آئین کی اسلامی دفعات کا ذکر کیا، اس ضمن میں مزید بہتری لانے کی تجویز دی ہے۔

اس کے علاوہ تقنین الشریعہ بھی فقہی موضوعات سے عبارت ہے آپ کی یہ تصنیف شریعہ اکیڈمی، اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے شائع ہوئی۔ جس میں ڈاکٹر غازی نے فقہ کے بنیادی اصول وضوابط بیان کیے ہیں، اسلامی قوانین کے امتیازی خصائص کا ذکر کیا۔ اسلام کے نظام عدالت پر بھی مصنف نے تفصیل سے روشنی ڈالی۔

حوالہ جات حصہ چہارم

1.

2.

3. سورہ انشراح:۳

4. محبوب الرحمن قریشی،ڈاکٹر،ڈاکٹر محمود غازی، ص۳۹تا۴۱، گومل یونیورسٹی پاکستان،۲۰۱۳ء

5. ششماہی معارف اسلامی، ص۳۱

6. ششماہی معارف اسلامی، ص۶۰

7. ششماہی معارف اسلامی، ص۶۰

8. محبوب الرحمن قریشی،ڈاکٹر،ڈاکٹر محمود غازی، ص۳۹تا۴۱، گومل یونیورسٹی پاکستان،۲۰۱۳ء

باب پنجم
ڈاکٹر غازی اہل علم کی نظر میں

ڈاکٹر غازی اہل علم کی نظر میں

علمی حلقوں میں ڈاکٹر احمد غازیؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، علمی لحاظ سے موصوف کی شخصیت متنوع پہلوؤں سے عبارت ہے۔ قومی و بین الاقوامی فورم پر اسلام اور عالم اسلام کے موقف کی بھرپور تائید کی۔ ڈاکٹر موصوف ایک طرف تو دینی مدارس سے فارغ التحصیل تھے تو دوسری طرف جدید عصری علوم پر بھی دسترس حاصل تھی۔ اپنے علمی کمال کے بل بوتے پر مختلف عہدوں پر فائز رہے، وفاقی وزیر، شرعی عدالت کے جج، سپریم کورٹ کے شریعت بینچ کے ممبر ہونے کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی سطح پر بھی آپ نے اپنی ذمہ داریاں کماحقہ انجام دیں۔ اپنے کام کی وسعتوں کے پیش نظر آپ کا حلقہ احباب بھی وسیع تھا۔ اسلامی یونیورسٹی اور قطر یونیورسٹی دوحہ میں تدریسی وانتظامی ذمہ داریاں انجام دینے کی وجہ سے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد فیض یاب ہوئی۔ عدل وانصاف کے شعبہ سے منسلک ہونے کی وجہ سے وکلاء اور جج صاحبان کے ساتھ بھی دوستانہ روابط قائم رہے۔

ڈاکٹر غازیؒ کی زندگی کے بارے میں شائع ہونے والے مختلفمضامین میں آپ کی نجی اور گھریلو سرگرمیوں کا ذکر بھی ملتا ہے، اہل خانہ کے ساتھ آپ ہمیشہ شفقت سے پیش آتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے ملازمین بھی آپ کے حسن سلوک کے معترف ہیں، ان کے ساتھ آپ کا رویہ دوستانہ تھا۔ ایک زاویئے سے دیکھا جائے تو آپ کے گھریلو ملازمین آپ کے دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔

راقم الحروف کی یہ کوشش ہوگی کہ انصفحات میں ڈاکٹر غازیؒ کے مختلف شخصیات کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کوواضح کرنے کے لیے ایک تحقیقی بحث شامل کی جائے۔ اس مقصد کے لیے راقمنے سوالنامہ، انٹرویوز اور مختلف رسائل وجرائد سے استفادہ کیا ہے۔

ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری (ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد)

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"اسلامی تعلیمات ڈاکٹر غازی کے رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ دیانت، امانت اور تقویٰ میں ان کا کوئی ثانینظر نہیں آتا۔ ڈاکٹر غازی نے اپنی ملازمت کے آخری دن دفتر کی گاڑی استعمال نہ کی اوراس کا عذر یہ پیش کیا کہ میں اب صدر نہیں ہوں۔ تاریخ، سیرت، فقہ، حدیث، علم الکلام، فلسفہ، ادب اور شعر سب میں ان کو دلچسپی تھی۔ وہ وقت ضائع نہ کرتے تھے۔"[1]

قاری محمد حنیف جالندھری (ناظم اعلیٰ وفاق المدارس، ملتان)

"ڈاکٹر غازی ایک عالمی، تاریخی، انفرادی اور جامع شخصیت تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے کمالات سے نوازا تھا، وسعت مطالعہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے ایک دفعہ رمضان المبارک میں مراکش کے سفر میں، میں ان کے ساتھ تھا۔ دروس حسنیہ میں شرکت کے بعد جب ہم بازار گئے تو وہاں بھی ڈاکٹر صاحب نے کتابوں کی خریداری کی اور فرمایا کہ میں جہاں بھی جاتا ہوں کتاب ضرور خریدتا ہوں۔ وزارت کے دنوں میں ڈاکٹر غازی کے ہمراہ فریضہ حج کی ادائیگی کا موقع ملا، آپ نے ہمارے ساتھ عام حاجیوں کی طرح وقت گزارا، کسی قسم کا پروٹوکول نہ تھا۔"[2]

سید عزیز الرحمٰن، انچارج ریجنل دعوۃ سینٹر و مہتمم دار العلم والتحقیق، کراچی

دار العلم و تحقیق کا آغاز ۲۰۰۷ء میں ہوا۔ ادارے کی افتتاحی تقریب میں ڈاکٹر غازیؒ کو دعوت دی گئی، اس موقع پر آپ نے "اسلام اور مغرب" کے موضوع پر خطبہ ارشاد فرمایا، اس سے قبل سید عزیز الرحمٰن کو ڈاکٹر موصوف کی تقاریر و خطبات سننے کا کئی بار اتفاق ہوا، جن سے آپ متاثر تھے، اس حقیقت کے پیش نظر ڈاکٹر غازیؒ کو دعوت دی گئی تھی۔ سید عزیز الرحمٰن، ڈاکٹر غازیؒ کو عبقری شخصیت قرار دیتے ہیں۔ دار العلم والتحقیق میں جب خطبات کا سلسلہ شروع کیا گیا تو یہ طے پایا کہ ہر سال یہ خطبہ ڈاکٹر غازیؒ فرمائیں گے۔ ڈاکٹر غازیؒ کے انداز تحریر کے بارے میں سید عزیز الرحمٰن رقم طراز ہیں:

"ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے عجیب صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ مسلسل انتہائی عالمانہ گفتگو کرنے کا ملکہ رکھتے تھے، آپ کی گفتگو انتہائی مربوط ہوتی، اس طرح کہ گویا کوئی لکھا ہوا متن پڑھ رہے ہوں۔ بہت سے مقامات پر آپ کی تقریر کے پورے پورے جملے تحری ہیں، اسی طرح منتقل ہو جاتے ہیں جیسے گفتگو میں ادا کیے گئے تھے۔ پھر نہایت دقیق، پیچیدہ اور فنی مباحث کو عام فہم اسلوب میں پیش کرنے کا ملکہ بھی بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، ڈاکٹر صاحب اس حیثیت سے ممتاز و فائق نظر آتے ہیں۔ عالم اسلام پر جس قدر گہری نظر ان کی تھی، کتابی دنیا سے تعلق رکھنے والے اور درس و تدریس سے وابستہ افراد میں بھی یہ خوبی خال خال نظر آتی ہے۔

سید عزیز الرحمٰن نے اپنی گفتگو میں ڈاکٹر غازیؒ کی مختلف شعبوں میں خدمات کا تذکرہ بھی کیا۔ آپ کی نظر میں ڈاکٹر غازیؒ ایک انتھک مجاہد کی طرح مختلف محاذوں پر سرگرم عمل رہے۔ جن حضرات نے ڈاکٹر صاحب کے

ساتھ کام کیا وہ بہت سے واقعات اور شواہد سے واقف ہوں گے۔ سید عزیز الرحمٰن کی رائے ہے کہ یہتمام معلومات امانت ہیں اور لوگوں تک پہنچانا اہل علم کی ذمہ داری ہے۔"[3]

ڈاکٹر غازیؒ کے امتیازی خصائص کا تذکرہ کرتے ہوئے سید عزیز الرحمٰن کہتے ہیں کہ:

"ڈاکٹر صاحب نہایت جفاکش، محنتی اور دل درد مند رکھنے والے محقق، عالم، مفکر، داعی اور رفیقہ تھے۔ انتہائی متدین اور حد درجہ متقی شخص تھے۔ برس ہابرس کا مشاہدہ ہے کہ سرکاری دفتری ذمہ داریوں میں سرکاری مراعات سے کبھی ذاتی فائدہ نہیں اٹھاتے۔"[4]

ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن (سابق ڈائریکٹر، دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد)

ڈاکٹر غازیؒ ایک عرصہ تک دعوہ اکیڈمی سے وابستہ رہے اس لحاظ سے دونوں شخصیات ایک دوسرے سے خوب واقفیت رکھتی تھیں، ڈاکٹر غازی کی صلاحیتوں کے بارے میں بتاتے ہیں:

"ڈاکٹر محمود احمد غازی کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ وہ ایک ہمہ جہت و ہمہ پہلو شخصیت تھے اور قدیم و جدید علوم کا حسین امتزاج تھے ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ علم دین کی ترویج و اشاعت، اقدار اسلامیہ کے فروغ اور ملک و ملت کی بھلائی کے لیے صرف تھا۔"[5]

ڈاکٹر صہیب حسن (صدر جمعیت اہل حدیث، برطانیہ)

"ڈاکٹر صاحب کی شخصیت ایک عبقری شخصیت تھی۔ آپ نے پوری زندگی بغیر مسلکی تعصب کے علمی و دینی خدمات انجام دیں، ڈاکٹر صاحب نے میرے والد مرحوم سے بھی اجازت حدیث حاصل کی تھی۔"[6]

پروفیسر ڈاکٹر ابراہیم (شعبہ اردو، جامعہ ازہر، قاہرہ)

"ڈاکٹر غازیؒ عالم اسلام کے ایک مایہ ناز محقق اور فقیہ تھے، ڈاکٹر غازیؒ جیسے معتدل فکر اور متوازن شخصیت کے مالک علماء اور محققین کی موجودگی تمام عالم اسلام کے لیے باعث رحمت تھی۔"[7]

ڈاکٹر محمد الغزالی (سابق جج وفاقی شرعی عدالت، اسلام آباد)

آپ ڈاکٹر غازی کے برادر اصغر ہیں۔ زندگی کا بیشتر حصہ ایک ساتھ گزرا ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلفی تھی، ڈاکٹر غازی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے بتاتے ہیں:

"ڈاکٹر غازی کو بچپن سے ہی حصولِ علم کا بہت ذوق وشوق تھا اور کبھی بچپن میں بھی کھیل کھلونے میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ کتاب سے بہت زیادہ دلچسپی اور علم کا حصول ان کی اولین ترجیح تھی۔"[8]

محمد موسیٰ بھٹو، مصنف "عصر حاضر کی شخصیات میری نظر میں"

محمد موسیٰ بھٹو اپنی اس کتاب کی تالیف کے بارے میں بتاتے ہیں کہ برصغیر کی مختلف اہم شخصیات کے ساتھ میرے روابط رہے ہیں، اسی وجہ سے مختلف اہلِ علم سے خط وکتابت بھی ہوتی رہی۔ ان حضرات کے خطوط کا بڑا ذخیرہ میرے پاس موجود تھا، ان خطوط کی بنیاد پر ایک کتاب ترتیب دینے کا خیال آیا۔ کتاب کی تدوین کے بارے میں مولانا امینی اور ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے توجہ دلائی کہ عصر حاضر میں دعوت اسلامی اور دور جدید میں اسلامی فکر کی تشکیل نو اور مفکرین کے عنوان پر کتاب لکھی جائے۔ چنانچہ اس تحریک کے پیش نظر اس موضوع پر قلم اٹھایا۔

محمد موسیٰ بھٹو نے مختلف شعبہ زندگی سے وابستہ قد آور شخصیات کو اپنی کتاب کی زینت بنایا ہے، ان میں سے ایک ڈاکٹر غازیؒ بھی ہیں۔ مصنف نے ڈاکٹر غازیؒ کو "اصحاب علم ودانش" کی فہرست میں ذکر کیا ہے۔ فاضل مصنف ڈاکٹر غازیؒ کو ملک وملت کے لیے روشنی کی ایک کرن سمجھتے ہیں، آپ کے بقول:

"ڈاکٹر محمود احمد غازی ملک وملت کا بڑا سرمایہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں جن صلاحیتوں، خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے انہیں دیکھ کر ملک و قوم کے بارے میں یہ حوصلہ بڑھتا ہے کہ جس قوم میں اس طرح کی شخصیتیں موجود ہوں ان شاءاللہ وہ قوم سرسبز و آباد ہوگی۔"

ڈاکٹر غازیؒ کی ذات کے بارے میں مزید کہتے ہیں:

"ان کی ساری سعادتوں میں جہاں ان کے گہرے مطالعے ومشاہدے اور طویل تجربات کو عمل دخل ہے وہاں ان کی ایک خاص صفت کو بھیبنیادی عمل دخل حاصلہے۔ وہ صفت ان کے بڑے پَن سے دستبرداری، چھوٹے پن کا مظاہرہ اور عاجزی وخاکساری کا رویہ ہے۔"[9]

پرویز مشرف دور میں ڈاکٹر غازیؒ کا سرکاری عہدے پر فائز ہونا بعض لوگوں کی رائے کے مطابق درست فیصلہ نہ تھا۔ محمد موسیٰ بھٹو نے اس حوالہ سے تنقیدی شذرہ تحریر کیا ہے۔

ڈاکٹر غازی کی یہ حکمت سمجھ نہ آسکی کہ وہ ریاستی اداروں کے ذریعہ علمی اور دعوتی خدمات سرانجام دینے اور اپنی زندگی اور صلاحیتوں کو خالص علمی اور دعوتی سرگرمیوں میں صَرف کرنے بجائے حکمرانوں سے قرب اور ان کی پالیسیوں کے نفاذ کے ذریعہ کے طور پر کیوں استعمال ہونے لگے۔ حکمرانوں سے قرب اور وزارت کا عہدہ بجائے

خود غلط نہیں۔ لیکن ایسے حالات میں جہاں ہمارے حکمرانعالمی طاقت کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں اور ذہنی طور پر سیکولر ہوں، اس طرح کی حکومت کی وزارت میں کارہائے نمایاں سرانجام دینا تو در کنار، اپنی علمی اور دعوتی حیثیت اور زندگی بھر کی ریاضتوں وجدوجہد سے قائم اپنی امتیازی شان کو برقرار رکھنا ہی دشوار ہے۔"[10]

اپنے اس تاثراتی نوٹ میں مصنف نے ڈاکٹر غازیؒ سے معذرت بھی، مصنف کا مقصود نہ تو تنقید ہے اور نہ ہی خود نمائی۔

حیران خٹک:

حیران خٹک، ماہنامہ دعوۃ، دعوۃ اکیڈمی، اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کی مجلس مشاورت کے رکن ہیں۔ ڈاکٹر غازی چونکہ اسلامی یونیورسٹی سے ایک عرصہ تک منسلک رہے ہیں، اور دعوۃ اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ حیران خٹک کی دعوۃ اکیڈمی میں تعیناتی کا سبب بھی ڈاکٹر غازیؒ ہیں، ڈاکٹر موصوف کے ساتھ اپنے تعلقات کی نوعیت کو بیان کرتے ہوئے حیران خٹک رقمطراز ہیں:

"ڈاکٹر غازیؒ درویشصفت انسان تھے، اگرچہ وہ ملنے ملانے میں زیادہ گرم جوشی کا اظہار نہیں کرتے تھے، لیکن میں عادت کے مطابق آپ کے ساتھ بے تکلفی برتتا، کبھی کبھی یہ بے تکلفی بے ادبی کی حدود کو بھی چھو لیتی تھی، لیکن ڈاکٹر صاحب میرے مزاج سے بخوبی واقف تھے، اس لیے میری باتیں خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے۔"

ڈاکٹر محمود غازیؒ ایک انسان تھے، اورانسان معصوم عن الخطاء نہیں ہو سکتا، لیکن امانت و دیانت کے لحاظ سے ڈاکٹر صاحب جن بلندیوں پر فائز تھے اس کا اس دور میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ غازی صاحب اس لحاظ سے گفتار کے نہیں کردار کے غازی تھے، اور انہوں نے عملی طور پر یہ بات سمجھائی کہ امانت و دیانت کسے کہتے ہیں۔"[11]

حیران خٹک کو ڈاکٹر غازیؒ کی صحبت طویل عرصہ تک حاصل رہی، آپ کی رائے ان کے ذاتی تجربات ومشاہدات پر مبنی ہے۔

آغا رفیق احمد خان:

عزت مآب جناب آغا رفیق احمد خان، وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس ہیں اور ڈاکٹر غازیؒ آپ کی رفاقت میں شرعی عدالت کے جج کی حیثیت سے کام کرتے رہے، اس حوالہ سے آغا رفیق احمد خان آپ کی صلاحیتوں

سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے۔ڈاکٹر غازیؒ کی تعلیمی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے چیف جسٹس نے ان الفاظ کا استعمال کیا:

"ڈاکٹر غازیؒ نے تعلیمی، تحقیقی اور قانون کے شعبہ میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں ۔ قرآن، حدیث، سنت، فقہ سمیت اسلامی معیشت پر ان کی کتب، اسلامی ادب میں قابل قدر اضافہ ہیں۔ انہوں نے اسلام کے سیاسی اور معاشی نظام پر تحقیقی کام کیا، ان کے پیش نظر ملک میں متوازن سیاسی اور اقتصادی نظام رائج کرنے کی ابتداء کرنا تھی۔"[12]

مولانا زاہد الراشدی:

ڈاکٹر غازی کے علمی مقام و مرتبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میری نظر میں برصغیر میں دو ایسی شخصیات ہیں جو مغرب کو آج کے دور کی زبان میں حجۃ اللہ البالغہ پڑھاسکتے ہیں اورامام شاہ ولی اللہؒکا فلسفہ سمجھاسکتے ہیں ، ان میں اول شخصیت مولانامفتی تقی عثمانی اوردوسری ڈاکٹر محمو احمد غازیؒ ہیں۔"[13]

مختلف اہل علم کے نام ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے چند منتخب خطوط

بنام: جناب مسعود احمد برکاتی

برادر مکرم و محترم جناب مسعود احمد برکاتی صاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ (بحوالہ ھ۔ن ۲۰۰۴، مورخہ ۲۷، جون ۲۰۰۴ء) بر وقت مل گیا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں بر وقت جواب نہ دے سکا۔ امید ہے کہ آپ حسب سابق اس کوتاہی کو بھی معاف فرمائیں گے۔

میرا رشتہ بھی ہمدرد نونہال سے کم و بیش نصف صدی پرانا ہے۔ میں نے بہت بچپن میں، تقریباً چار سال کی عمر سے، ہمدرد نونہال پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے اپنے والد مرحوم کی زیر نگرانی تین ساڑھے تین سال کی عمر سے ہی گھر میں نوشت و خواند کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ شروع کے ایک دو سالوں میں نہ تو پورا سالہ سمجھ میں آتا تھا اور نہ میری یہ بساط تھی، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ چند سال کے اندر اندر نہ صرف رسالے کے مضامین سمجھ میں آنے لگے بلکہ میرا اشتیاق بھی بڑھتا گیا۔ مزید دو ایک سال بعد میں نے تعلیم و تربیت بھی پڑھنا شروع کر دیا، لیکن جو اشتیاق ہمدرد نونہال کے نئے شمارے کے لیے پورے مہینے رہتا تھا، وہ ابھی تک یاد ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہمدرد نونہال کے مضامین میں بچوں کے مزاج اور نفسیات کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے۔

ہمدرد نونہال نے ایسی تربیت کر دی تھی کہ کوئی غیر سنجیدہ یا غیر معیاری تحریر پڑھنے کو کبھی دل نہیں چاہا۔ بچوں کے بہت سے رسالوں میں جنوں اور پریوں، جادو اور ٹوٹکوں، چوری اور ڈاکے جیسے تصورات پر مبنی کہانیاں کثرت سے چھپتی تھیں، لیکن ان میں کبھی بھی میرا دل نہیں لگا۔ ہمدرد نونہال کے جو مضامین میں بہت شوق سے پڑھتا تھا، ان میں مسلمانوں کے کارناموں پر مبنی تاریخی کہانیاں اور واقعات نمایاں ہوتے تھے۔ ہمدرد نونہال اور تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ مولوی اسماعیل میرٹھی کی درسی کتابیں میرے والد مرحوم نے مجھے حفظ قرآن کے دوران ہی پڑھادی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعد کی زندگی میں اردو زبان کبھی بھی مشکل مضمون معلوم نہ ہوئی۔

ہمدرد نونہال نے میری تعلیم اور تربیت دونوں میں حصہ لیا۔ آج اگر اردو لکھنے اور بولنے کا کوئی سلیقہ حاصل ہے تو اس کا ابتدائی بیج رکھنے میں ہمدرد نونہال ہی شامل ہے۔

میری دعا ہے کہ یہ رسالہ اسی طرح قائم دائم رہے۔

والسلام

محمود احمد غازی

(بشکریہ یہ "ہمدرد نونہال"، نومبر ۲۰۰۴ء)

بنام: مولانا زاہد الراشدی

(۱)

برادر مکرم و محترم جناب مولانا ابو عمار زاہد الراشدی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اپریل ۲۰۰۲ء کا ماہنامہ 'الشریعہ' آپ کے دیرینہ لطف و کرم سے موصول ہوا۔ میں روز اول ہی سے اس رسالے کا باقاعدہ قاری ہوں۔ آپ کی تحریروں اور مضامین میں جو اعتدال اور توازن ہوتا ہے، وہ گزشتہ کچھ عرصے (ہمارے ہاں) کم ہوتا چلا جارہا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کی تحریریں ملک میں ایک متوازن اور معتدل مذہبی رویے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کریں گی۔

زیر نظر شمارے میں اپنی ایک تحریر دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ حیرت اس لیے کہ اس عنوان سے کوئی مضمون لکھنا یاد نہیں تھا اس لیے ابتداءً خیال ہوا کہ شاید یا تو غلطی سے میرا نام چھپ گیا ہے یا یہ میرے کسی ہم نام کی تحریر ہے، لیکن جب اصل مضمون پڑھا تو اندازہ ہوا کہ عنوان آپ کا اور معنون اس ناچیز کا۔ غالباً آپ نے میرا وہ لیکچر ملاحظہ فرمایا ہوگا جس سے یہ اقتباس لے کر شائع کیا گیا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ اور آپ جیسے دوسرے علماء کرام اس پورے لیکچر کو بالاستیعاب مطالعہ فرمائیں۔ آپ کے عطا کردہ اس عنوان سے خیال ہوتا ہے کہ شاید میری کتاب 'خطبات بہاول پور' آپ کے لیے دلچسپی کا موضوع ہوگی۔ پتہ نہیں آپ کو یہ کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا یا نہیں۔

علامہ اقبالؒ اور مولانا تھانویؒ کے مابین فکری مماثلتوں کے موضوع پر پروفیسر محمد یونس میو کا مضمون اچھا ہے، لیکن بہت مختصر۔ شاید ان کو یہ تجویز کرنا موزوں ہو کہ مولانا رومیؒ کے افکار اور پیغام کے بارے میں علامہ اقبالؒ اور مولانا تھانویؒ کے نظریات و خیالات کا تقابلی مطالعہ نہ صرف دلچسپ ہوگا بلکہ دونوں اکابر کے نقطہ نظر میں حیرت انگیز مماثلتیں بھی اس کے ذریعے سامنے آئی گی۔ میری طرف سے پروفیسر محمد یونس صاحب کو مبارک باد پیش کر دیں۔

والسلام

نیاز مند ڈاکٹر محمود احمد غازی

(۲)

۱۷، اگست ۲۰۱۰ء

۶، رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ

برادر مکرم و محترم جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ چند سال قبل آپ نے طلاق ثلاثہ کے مسئلہ پر کوئی مشاورت منعقد فرمائی تھی جس میں بہت سے اہل علم نے اپنی آراء کا اظہار فرمایا تھا۔ کیا یہ آراء تحریری صورت میں دستیاب ہیں؟ اگر ایسا ہے تو کیا ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟ مزید بر آں غیر اہل حدیث اور گیر سلفی علماء میں کون کون سے حضرات طلاق ثلاثہ کے ایک ہونے کے قائل رہے ہیں؟ ایک درمیانی راستہ حضرت مفتی کفایۃ اللہ صاحب نے اختیار فرمایا تھا۔ کیا دوسرے اہل افتاء کے ہاں بھی یہ رجحان ملتا ہے؟

بہر حال اس موضوع پر جتنا مواد فراہم ہو سکے، وہ مجھے ارسال فرمادیں۔

رمضان المبارک کی نیک ساعتوں میں بھی یاد فرمایئے۔

والسلام

نیاز مند

محمود احمد غازی

بنام: مخدوم و معظم جناب حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے، آپ کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ کل آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ معلوم نہیں آپ کو یہ تاثر کیوں ہوا کہ اکیڈمی نے سندھی زبان میں لٹریچر کا منصوبہ ترک کر دیا ہے۔ یہ تاثر غالبًا گزشتہ چند ماہ کی سست رفتاری سے پیدا ہوا ہے۔ یہ سست رفتاری بعض انتظامی دقتوں اور دفتری طریقہ کار کی طوالت اور پیچیدگی کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ تاہم ہماری پوری کوشش یہ ہے کہ سندھی اسلامی ادبیات کے میدان میں جو کچھ ہم کر سکتے ہیں، اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ اس ضمن میں آپ سے ماضی میں جو گفتگوئیں ہوتی رہی ہیں، ان کی روشنی میں حتی المقدور کام کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ استاد محمد قطب کی کتاب ''اسلام اور جدید ذہن کے شبہات'' کے بارے میں دفتری کارروائی ایک ناگزیر انتظامی مشکل کی وجہ سے ہو گئی تھی جو ابالحمد للہ دور ہو گئی ہے۔ اس ضمن میں جلد ہی آپ کو دفتری مراسلہ مل جائے گا۔

سندھ نیشنل اکیڈمی کے ساتھ تعاون کی تجویز اچھی ہے۔ کیا یہ ممکن ہو گا کہ اس پر آپ تفصیلی تجویز انگریزی میں ٹائپ کرا کر ہمیں بھیج سکیں؟

بائبل، قرآن اور سائنس سندھ کے اہم اہل علم کو بھیجنے کے لیے آپ سے گزارش ہے کہ ایسے افراد کے پتے ہمیں ارسال فرمائیں۔ ہم ایک ہفتے کے اندر اندر ان کو یہ کتاب ارسال کر دیں گے۔

اگر آپ جیسے مخلص اہل علم و فکر ہی کسی مایوسی یا غلط فہمی کا شکار ہوں گے تو ہم جیسوں کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔

دعاؤں میں یاد فرماتے رہنے کی درخواست ہے۔

والسلام

محمود احمد غازی

(۲)

مؤرخہ: ۳۰، اکتوبر ۸۹ء

برادر مکرم و محترم جناب حافظ موسیٰ بھٹو صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ آپ کا گرامی نامہ مؤرخہ ۲۵ ستمبر مجھے ایک غیر ملکی سفر سے واپسی پر ملا۔ اس کے ہمراہ پتوں کی فہرست بھی مل گئی۔ ہم ان سب اہل علم کو سندھی زبان کی کتابیں بھیج رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اب تک ''اسلام اور جدید ذہن کے شبہات'' کی کمپوزنگ مکمل ہو گئی ہو گی۔ آپ سے گزارش ہے کہ جونہی پروف ریڈنگ اور تصحیح مکمل ہو، کتاب ہمیں ارسال کر دیں۔ یہ غالباً آپ کے ذہن میں ہو گا کہ اس کتاب کے مختلف ابواب الگ الگ کتابچوں کی شکل میں ضائع کیے جائیں گے اور ایک ہی پیش لفظ جو میری طرف سے ہے ہر کتاب میں شامل ہو گا۔

آپ سے مسلسل دعاؤں میں یاد رکھنے کی درخواست ہے۔

والسلام

نیاز مند

محمود احمد غازی

(۳)

برادر مکرم و محترم جناب حافظ محمد موسیٰ صاحب بھٹو

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ آپ کا گرامی نامہ کئی روز ہوئے مل گیا تھا، لیکن میں مختلف مصروفیات کی بنا پر جواب ارسال نہ کر سکا۔

آپ کی مرسلہ کتاب "السلام اور ہمارے مسائل" بروقت مل گئی تھی اور اس وقت اس سے استفادہ بھی کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ میں آپ کی تحریروں اور کتابوں کا ایک عرصہ سے مداح ہوں۔ آپ کی ہر تحریر میں نہ صرف صحیح اسلامی خیالات پڑھنے کو ملتے ہیں بلکہ ملک وملت کے مسائل پر آپ کا انداز فکر بڑا پختہ اور حقیقت پسندانہ ہوتا ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آپ کی ان فاضلانہ تحریروں کو وہ قبول عام حاصل نہیں ہوا جس کی اس وقت شدید ضرورت ہے۔

آپ کے حسب ارشاد جناب عبد الغنی فاروق کی کتاب "ہم کیوں مسلمان ہوئے" کا کمپوز شدہ مواد ان شاء اللہ ارسال کر دیا جائے گا۔ میں جلد ہی اس بارے مین آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔

والسلام

مخلص

محمود احمد غازی

(۴)

برادر مکرم و محترم جناب حافظ محمد موسیٰ صاحب بھٹو

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۸، اکتوبر موصول ہوا۔ آپ کے خطوط پڑھ کر ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے، اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ براہ کرم اپنے خطوط کا سلسلہ منقطع نہ فرمایئے۔

آپ کو یاد ہو گا کہ کئی ماہ قبل میں نے یہ گزارش کی تھی کہ دور جدید میں دعوت دین، اس کا فلسفہ اور اسلوب و منہاج کے عنوان سے ایک جامع کتاب اکیڈمی کے لیے مرتب کر دیجئے جس میں آپ کی اب تک کی تحریروں کا خلاصہ آجائے۔ ہم اس کو اپنے پروگرام میں شائع کریں گے اور کوشش کریں گے کہ اس کا دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ کرا سکیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ کے پاس اکیڈمی کی تمام اردو، انگریزی اور سندھی مطبوعات موجود ہوں گی۔

والسلام

نیاز مند

محمود احمد غازی

(۵)

برادر مکرم و محترم جناب حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۲۰ جنوری موصول ہوا جس کے ہمراہ آپ نے ماہنامہ بیداری میں شائع شدہ اپنے فاضلانہ مضامین کی ایک فہرست بھی ارسال فرمائی ہے۔ ہم یقیناً ان تحریروں سے استفادہ کریں گے اور وقتاً فوقتاً یہ تحریریں آپ سے منگواتے رہیں گے۔

شاید آپ کے علم میں ہو کہ اکیڈمی نے ڈاکٹر رفیع الدین کی دو کتابیں شائع کی تھیں اور ان کو بڑے پیمارے پر اندرون و بیرون ملک علمی حلقوں میں پہنچایا تھا۔ مولانا محمد تقی امینی کی کتابیں خالص فنی قسم کی ہیں اور وہ اکیڈمی کے موضوع سے براہ راست متعلق بھی نہیں ہیں۔ یوں بھی پاکستان میں کئی ادارے ان کی اشاعت کر رہے ہیں۔ کبھی ملاقات ہو تو مخدوم و معظم جناب ڈاکٹر غلام مصطفی خان دامت برکاتہم کی خدمت میں سلام عرض کر دیں۔ ان سے مراسلت کا سلسلہ شروع کیا تھا، لیکن مسلسل سفروں کی وجہ سے میں اس کو جاری نہ رکھ سکا۔

والسلام نیاز مند

محمود احمد غازی

۹۹-۱-۲۰

(۱)

اسلام آباد ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے دونوں گرامی نامے بروقت موصول ہو گئے تھے۔[14] لیکن میں قبل ازیں جواب ارسال نہ کر سکا جس کے لیے دل سے معذرت خواہا ہوں۔ حضرت مولانا سید فضل الرحمان صاحب از حد مبارک باد کے مستحق ہیں کہ شش ماہی تحقیقی مجلہ السیرہ کا اجراء فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں اور وسائل سے مالا مال فرمائیں۔ رسالہ کا نکالنا تو آسان، لیکن اس کا جاری رکھنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلا شمارہ اس وقت شائع کیا جائے جب آئندہ تین چار تیار شمارے موجود ہوں۔ مزید بر آں علمی اور تحقیقی رسائل معاشی طور پر viable نہیں ہوتے۔ اکثر و بیشتر ان پر خرچ ہی کرنا پڑتا ہے۔ ان کی فروخت سے یافت ہونا شاذ و نادر صورتوں میں ہی ممکن ہو پاتا ہے۔ لہٰذا آئندہ تین چار شماروں کے مواد کے ساتھ ساتھ ان شماروں کے اخراجات کی فراہمی بھی ضروری ہے۔ علمی اور تحقیقی رسائل میں اشتہارات سے بھی زیادہ آمدنی نہیں ہو پاتی، لہٰذا اس مد سے بھی کسی خاص مدد کی امید نہ رکھنی چاہئے۔

رسالہ کو محدود معنوں میں سیرت کے موضوعات تک محدود نہ رکھیے، بلکہ اگر اس کا دائرہ کار معارف نبوت یا علوم نبوت یا پیغام سیرت رکھا جائے تو موزوں ہو۔

محترم جناب سید معید احمد شاہ صاحب علیل تھے، اب ٹھیک ہیں اور ہسپتال سے گھر آ گئے ہیں۔[15]

والسلام

نیاز مند و طالب دعا

محمود احمد غازی

(۲)

محترم جناب سید عزیز الرحمان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۳۱، جنوری، ۲۰۰۱ء بنام ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب وفاقی وزیر مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر موصول ہوا۔

ڈاکٹر غازی صاحب نے آپ کے مراسلے اور السیرۃ انٹرنیشنل کا شکریہ ادا فرمایا ہے۔[16] آپ نے اپنے مکتوب میں جن دیگر امور کی جانب ڈاکٹر صاحب کی توجہ مبذول کروائی ہے، اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے مجاز افسروں کو مناسب غور وخوض اور ضروری کاروائی کے لیے ہدایات جاری کر دی ہیں۔[17] اس سلسلے میں ہونے والی پیشرفت سے آپ کو جلد آگاہ کیا جائے گا۔

والسلام

سید قمر مصطفیٰ شاہ

پرنسپل سٹاف آفیسر برائے وزیر محترم

(۳)

اسلام آباد، یکم اگست ۲۰۰۱ء

برادر مکرم و محترم جناب سید عزیز الرحمان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے متعدد گرامی نامے اور ششماہی عالمی السیرۃ کے شمارے موصول ہوئے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں اور تجاویز سے رہنمائی فرماتے رہتے ہیں۔

سیرت کانفرنس کی بابت آپ نے جو امور تحریر فرمائے تھے، ان پر غور وخوض کر کے اس سال سیرت کانفرنت کے انتظامات بہتر بنائے جارہے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ حسب سابق اپنے مفید مشورون سے نوازتے رہیں گے۔

والسلام

نیاز مند و طالب دعا

محمود احمد غازی

(۴)

اسلام آباد،۹،جولائی،۲۰۰۲ء

محترم جناب سید عزیز الرحمان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا وقیع رسالہ عالمی السیرۃ باقاعدگی سے ملتا رہتا ہے۔ اس کے عالمانہ مضامین اور تحقیقی مقالات نے اس رسالے کو بہت جلد ایک نمایاں مقام عطا کر دیا ہے۔ اس سے خوشی ہوئی کہ آپ پروفیسر سید محمد سلیمؒ کے افکار و خیالات پر رسالہ تعمیر افکار کے تعاون سے ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تعمیر افکار کا یہ خصوصی شمارہ ایک اہم تاریکی دستاویز ہو گا۔ پروفیسر سید محمد سلیم مرحوم کا علمی مقام اس بات کا متقاضی ہے کہ ان پر ایک نہیں، بہت سے رسائل کے خصوصی شمارے شائع کیے جائیں۔ انہوں نے علم و تحقیق کے مختلف میدانوں میں جتنا وقیع کام کیا ہے، اس پر دیر تک اہل علم تحقیق کرتے رہیں گے۔

میں بڑے اشتیاق اور شدت سے رسالہ تعمیر افکار کے خصوصی شمارے کا منتظر ہوں۔

والسلام

نیاز مند ڈاکٹر محمود احمد غازی

(۵)

تاریخ:۱،۸،۲۰۰۶

برادر مکرم جناب مولانا حافظ سید عزیز الرحمانصاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ کتابیں اور مقالہ[18] سب ہدایا ایک ساتھ موصول ہوئے۔ جزاکم اللہ۔

مقالہ الحمد للہ بہت عالمانہ ہے۔ جلد سے جلد اشاعت کا اہتمام فرمایئے۔ عجیب توارد ہے کہ یہی موضوعات میرے ذہن میں بھی ہیں جو آخری تین خطبات میں زیر بحث آئیں۔[19] توارد پر ایک لطیفہ ملاقات سناؤں گا۔

محترم ڈاکٹر کشفی صاحب کا بھی دلی شکریہ ادا کر دیں۔ ان سے ملاقات کی لذت ابھی تازہ ہے۔[20]

آج ان شاء اللہ خطبہ ہشتم ہے، ہفتہ تک بارہ خطبے ہو جائیں گے۔ جیسے ہی کسی خطبہ کی نقل تیار ہوئی، آپ کو ارسال کر دوں گا۔[21]

والسلام

نیاز مند و طالب دعا

محمود احمد غازی

(۶)

دوحہ: قطر

۱۶، اکتوبر، ۲۰۰۹ء

جمعۃ المبارک

برادر مکرم جناب ڈاکٹر سید عزیز الرحمان صاحب

السلام علیکمو رحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ عرصہ دراز سے، غالبًا اگست کے اوائل کی ملاقات کے بعد سے آپ سے کوئی رابطہ نہیں ہوا، خدا کرے خیر ہی ہو۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلامی بنکاری والی تقریر پر نظر ثانی ہو گئی ہے۔[22] لیکن اب بھی مزید نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اس لیے گزارش یہ ہے کہ ایک بار کھلا کھلا کمپوزر کرا کے مجھے واپس بھیج دیں۔ انشاء اللہ اس بار تاخیر نہ ہو گی۔

پروفیسر عبد الجبار شاکر صاحب کے اچانک رخصت ہو جانے سے بہت صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ بہت مخلص اور متدین انسان تھے۔ ان کے اہل خانہ میں سے کسی سے رابطہ ہو تو میری طرف سے تعزیت بھی کر دیں اور ان کا نمبر وغیرہ بھیج دیں تا کہ میں براہ راست بھی رابطہ کر سکوں۔

ان کا ذاتی کتب خانہ بہت عالی شان اور وسیع تھا۔ کتابوں کا واقعی بہت عالمانہ اور اچھا ذوق رکھتے تھے۔ اللہ کرے کہ کتب خانہ سلامت اور یکجا رہے۔ خالد اسحاق صاحب مرحوم کے کتب خانہ کی طرح تتر بتر نہ ہو۔

''اسلام اور مغرب'' والے مقالات کا کیا ہوا؟[23] یہ صرف استفسار ہے، اصرار نہیں۔ دعوہ اکیڈمی (کراچی مرکز) کی سرگرمیاں کیسی چل رہی ہیں؟ والد صاحب سے سلام عرض کر دیں۔

والسلام

محمود احمد غازی

(۷)

تاریخ:۱۶، ستمبر ۲۰۱۰

برادر مکرم جناب ڈاکٹر سید عزیز الرحمان صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

کل کی زحمت دہی پر نادم اور شرمندہ ہوں۔ بلا وجہ گرمی میں میں آپ کو (محض اپنے ذاتی کام کے لیے) پچاس میل سے سفر کی زحمت دی۔[24] براہ کرم درگزر فرمایئے گا۔ کتابیں (تاريخ الحركة المجددية) کے نسخے مل گئے، جزاکم اللہ۔ قرآن نمبر کے لیے منتخب کردہ خطبہ پر سرسری نظر ثانی کر دی ہے۔[25]

والسلام

نیاز مند وطالب دعا

محمود احمد غازی

(۸)

۹،اکتوبر،۲۰۰۸

۲۰،شوال المکرم،۱۴۲۹ھ

دوحہ قطر

برادر مکرم و محترم جناب مولانا ڈاکٹر حافظ عزیز الرحمن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وعدے کرنے میں بہت سخی واقع ہوا ہوں ،نبھانے کے معاملہ میں صفر ہوں۔ اس شکل سے نکلنے کا واحد راستہ صبر ہی ہے،لہذا صبر سے کام لیجئے۔

بینکاری والی تقریر میں معاملہ صفر سے ذرا آگے بڑھا ہے۔ ثبوت کے طور پر یہ آدھی تقریر ارسال خدمت ہے۔بقیہ بھی جلد ہی پیش کر دوں گا۔ گزارش یہ ہے کہ تصحیحات کے بعد تین گناہspace پر ٹائپ کرائیے گا،اس لیے کہ ایک بار مزید اصلاح ہو گی تو یہ بے سر وپا گفت گو قابل اشاعت ہو سکے گی۔

بقیہ وعدوں کے ایفا کی رفتار کا اندازہ آپ کو ہو گیا ہو گا۔

والسلام

نیاز مند

ڈاکٹر محمود احمد غازی

(۹)

۲۵، اکتوبر، ۲۰۰۸ء

۲۶، شوال المکرم، ۱۴۲۹ھ

برادر مکرم و محترم جناب مولانا ڈاکٹر حافظ عزیز الرحمن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے!

آج اپنے کاغذات میں یہ مقالہ نظر پڑا۔ یہ میں نے مکہ مکرمہ کی کانفرنس (جون ۲۰۰۸) میں پڑھا تھا۔ یاد آیا کہ آپ نے اس کی نقل بھیجنے کو کہا تھا۔ تاخیر ہی سے سہی، مگر تعمیل ارشاد کی سعادت ہو گئی۔

والسلام

نیاز مند

ڈاکٹر محمود احمد غازی

(۱۰)

برادرم مکرم و محترم جناب مولانا ڈاکٹر حافظ عزیز الرحمٰن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

اسلامی بینکاری والی تقریر کا آخری حصہ ارسال خدمت ہے۔ اس میں کم از کم دوبار مزید اصلاح و ترمیم کرنا ہوگی، جب جاکر یہ قابل طباعت ہوسکے گی۔ دوبارہ جب بھیجیں تو تین گناspace پر ٹائپ کرائیے گا تاکہ اصلاح میں آسانی رہے۔

والسلام

نیاز مند

ڈاکٹر محمود احمد غازی

۲۳اکتوبر، ۲۰۰۸ء

(معاف کیجئے گا کہ علم اور ہمت کے ساتھ ساتھ قلم نے بھی جواب دے دیا ہے۔)

بنام: حافظ صفوان محمد چوہان

مورخہ ۱۴، ۲۰۰۵،۴ء

برادر مکرم و محترم جناب حافظ صفوان محمد چوہان زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ چند روز قبل ملا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں بروقت جواب ارسال نہ کر سکا۔ اس سے خوشی ہوئی کہ آپ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ جیسے شعبوں سے وابستہ رہتے ہوئے (جو خالص فنی اور سائنسی نوعیت کے ہیں) دینی اور ملی موضوعات سے بھی گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس ذوق میں برکت عطا فرمائے اور آپ کو زیادہ سے زیادہ دینی اور ملی کاموں میں تعمیری حصہ لینے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

میری ناچیز گفتگو کو آپ نے پسند فرمایا۔ ممنون ہوں۔ یہ زبانی اور فی البدیہہ گفتگو تھی جس میں مرتب خیالات اور پختہ نتائج پیش کرنا آسان نہیں (کم از کم میرے لیے)۔ اب خیال ہو رہا ہے کہ اس transcription کو سامنے رکھ کر اس میں تفصیلی نظر ثانی اور حک و اضافہ کروں تاکہ جو باتیں وہاں زیادہ تفصیل سے عرض نہیں کیا جا سکیں، وہ تفصیل سے سامنے آ جائیں۔

"الشریعہ" کے بارے میں میرے تاثرات بھی وہی ہیں جو آپ کے ہیں۔ اس کا سارا کریڈٹ مولانا زاہد الراشدی صاحب کو جاتا ہے۔

والسلام

نیاز مند

محمود احمد غازی

بنام:ڈاکٹر سید شاہد حسن رضوی

مکرمی جناب ڈاکٹر سید شاہد حسن رضوی صاحب

السلام علیکم

آپ کا ارسال کردہ سہ ماہی الزبیر موصول ہوا۔ اس سے قبل بھی ایک دو شمارے پڑھنے کا موقعہ ملا تھا۔ ایک انتہائی خوشگوار حیرت اس سے ہوئی کہ بہاول پور کا یہ رسالہ علم وادب کے بڑے بڑے مراکز سے نکلنے والے بھاری بھر کم رسالوں سے کم نہیں۔ زیر نظر شمارے میں مشفق خواجہ مرحوم کے نام جو گوشہ مختص کیا گیا ہے وہ بھی خاصے کی چیز ہے۔

میری ناچیز تحریریں عموماً دینی اور فقہی موضوعات پر مشتمل ہوتی ہیں جو شاید آپ کے رسالے کے لیے غیر موزوں ہوں۔ البتہ کبھی کبھی عربی یا فارسی میں کچھ اشعار نظم ہو جاتے ہیں جن کی حیثیت معنوی اعتبار سے صرف ذاتی احساسات اور لفظی اعتبار سے محض تک بندی سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یوں یہ بھی آپ کے معیار سے فروتر سمجھی جائے گی۔

البتہ ایک گزارش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ وہ یہ کہ عموماً اہل دین اور اہل تقویٰ کی ادبی کاوشوں کو اہل ادب کی بارگاہ میں زیادہ پذیرائی نہیں ملتی۔ اس دربار میں وہی لوگ باریاب ہو سکتے ہیں جو اخلاقیات اور روحانیات کے لباس سے یا تو عملاً عاری ہوں یا کم از کم نظری طور پر عاری ہونے کے دعوے دار ہوں۔ اگر سہ ماہی الزبیر اس رجحان کی اصلاح کی کوشش کرے تو یہ ایک بڑی خدمت ہو گی۔ مثال کے طور پر اردو کے مشہور شاعر محسن کاکوروی کا کلام کسی بھی اعتبار سے اردو کے بڑے بڑے اساتذہ کے کلام سے کم نہیں، لیکن ہماری ادبی تاریخیں اور تنقیدی تحریریں ان کے ذکر سے کالی ملتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں بہت سے ایسے لوگ جن کی شعری کاوشیں بہت پست معیار رکھتی ہیں، ادیبوں اور نقادوں کے ہاں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں۔[26]

اس خط کے جواب میں بندہ نے اپنے والد صاحب کا مضمون:

"محسن کاکوری کی نعتیہ شاعری" الزبیر میں بھجوایا جو شمارہ ۴، ۲۰۰۶ء میں چھپا۔ اس پر غازی صاحب کا خط شاید شمارہ۔ ۱، ۲۰۰۷ء میں چھپا ہو گا لیکن یہ رسالہ مجھے فی الوقت نہیں مل رہا۔ (حافظ صفوان محمد)

بنام: شہزاد چنا صاحب

(۱)

مورخہ ۴، جنوری، ۲۰۰۶ء

برادرم جناب شہزاد چنا صاحب

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ اس کے ہمراہ "قرآن: ایک تعارف" کے سندھی ترجمے کی پہلی قسط بھی موصول ہوئی۔ جزاکم اللہ۔

سندھی زبان میں لٹریچر کی تیاری کے لیے بہتر مشورہ اور رہنمائی مولانا امیر الدین مہر صاحب ہی دے سکتے ہیں۔

والسلام

ڈاکٹر محمود احمد غازی

(۲)

مورخہ ۲۲مارچ،۲۰۰۶ء

برادر مکرم و محترم جناب شہزاد چنا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ مورخہ ،۱۳،مارچ،۲۰۰۶ء موصول ہوا۔"الفاروق"اور"وینجھار" کے تازہ شمارے بھی مل گئے۔اس سے خوشی ہوئی کہ "الفاروق" کے ایڈیٹر مولانا محمد حسین شاد نے بھی اس کاوش کو پسند کیا ہے۔عربی لفظ "نجماًنجماً" کا ترجمہ "تھوڑا تھوڑا" ٹھیک ہے۔مفسرین کرام نے آیت قرآن کے لیے "تھوڑا تھوڑا" کا لفظ خلاف ادب سمجھا، اس لیے اس کے بجائے "نجماًنجماً" کی اصطلاح استعمال کی جن کے لغوی معنی "ستارہ ستارہ" کے ہیں۔گویا قرآن مجید رشد وہدایت کی ایک کہکشاں ہے جس کے ستارے ایک ایک کرکے اتر رہے تھے اور کہکشاں کی تکمیل کر رہے تھے۔اس لفظ میں جو معنویت اور خوبصورتی ہے، وہ کسی اور لفظ میں ممکن نہیں۔جس صاحب ذوق اور صاحب دل مفسر نے پہلی بار یہ اصطلاح استعمال کی، اس کے ذوق کو سلام کرنا چاہئے۔

والسلام

ڈاکٹر محمود احمد غازی

(۳)

مورخہ ۳۱، جنوری ۲۰۰۶ء

برادر مکرم و محترم جناب شہزاد چنا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ مورخہ ۲۵، جنوری، ۲۰۰۶ء موصول ہوا۔ "قرآن پاک: ایک تعارف" کے سندھی ترجمہ کی دوسری قسط بھی موصول ہوئی۔ اس سے خوشی ہوئی کہ مولانا امیر الدین مہر صاحب اس ترجمہ پر نظر ثانی فرمارہے ہیں۔ اگر مولانا کی رائے میں اس کتابچے کے سندھی ترجمہ کی اشاعت مفید ہو تو اس کے مکمل ہونے پر ایک کتابچے کی شکل میں شائع کرنے پر غور کریں اور مشورہ دیں۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا ہے۔ اب دوسرے ایڈیشن کی طباعت کا مرحل در پیش ہے۔ چونکہ مولانا امیر الدین مہر صاحب اس کو ساتھ ساتھ ملاحظہ بھی فرمار رہے ہیں، اس لیے ان سے درخواست کریں کہ کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں جو ترامیم، اضافے اور اصلاحات ضروری ہوں، ان کی نشان دہی فرمادیں۔

میری طرف سے مرکز کے تمام احباب اور مولانا امیر الدین مہر صاحب کو سلام عرض کر دیں۔

والسلام

محمود احمد غازی

بنام: محمد عمار خان ناصر

(۱)

06/8/03

برادر مکرم و محترم جناب مولانا عمار ناصر صاحب، مدیر الشریعہ گوجرانوالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ مسجد اقصیٰ کی شرعی حیثیت کے بارے میں آپ کا فاضلانہ مقالہ بروقت مل گیا تھا۔ میرے لیے اس کے مندرجات کے بارے میں کوئی حتمی رائے دینا تو دشوار ہے، اس لیے کہ میں نے مسجد اقصیٰ کی تاریخ کے بارے میں جو کچھ مطالعہ کیا تھا، اس پر خاصی مدت گزر چکی ہے۔ اب از سر نو مطالعہ تازہ کرنے کے لیے کتابوں کی ورق گردانی ناگزیر ہے جس کی سر دست فرصت نہیں۔ تاہم اگر آپ چاہیں تو علامہ ابن قیم الجوزیہ کی کتاب احکام اہل الذمہ کا مطالعہ فرمائیں جس میں انہوں نے شروط عمریہ پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ میری ناچیز رائے میں شروط عمریہ ہی اس معاملہ میں مسلمانوں کے موقف کی فقہی اور آئینی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔

تاہم یہ غور ضرور کرلیں کہ کیا موجودہ حالات میں یہ بحث اٹھانا مفید ہوگا! میرا خیال یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو اور بے شمار مسائل در پیش ہیں۔ اس صورت حال میں ایک نئی اختلافی بحث کھڑی کر دینا مناسب نہیں۔ علم اور خاص طور پر علم دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاں ایک بڑا اعزاز ہے، وہاں ایک مقدس امانت بھی ہے۔ اس کو استعمال کرنے میں انتہائی احتیاط اور ذمہ داری سے کام لینا چاہئے۔ اگر ہم میں سے کسی کے علم کا استعمال اس انداز سے ہو کہ امت مسلمہ کو اس کا نقصان یا پاداش برداشت کرنا پڑے تو شاید یہ علم کا بہتر استعمال نہیں۔ مزید مشورہ برادر مکرم جناب مولانا زاہد الراشدی اور اپنے جد محترم سے فرمالیں۔

والسلام

ڈاکٹر محمود احمد غازی

نائب رئیس الجامعہ

(۲)

۱۶، اگست، ۲۰۱۰ء

برادر عزیز و مکرم جناب مولانا محمد عمار خان صاحب ناصر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ مورخہ ۲۶ جولائی کل سفر حرمین سے واپسی پر دیکھا۔ دعوت کا شکریہ۔ جزاکم اللہ

۳۰ ستمبر کو جمعرات ہے اور عدالتی مصروفیت کا دن ہے۔ میں اتوار کے روز صبح کے وقت دستیاب ہو سکتا ہوں۔ آپ ستمبر / شوال کے مہینہ میں کوئی سا اتوار رکھ لیں۔

والد مکرم کی خدمت میں سلام عرض کر دیں۔ آپ کی تحریر بابت تولیت بیت المقدس کیا الگ سے بھی چھپی ہے؟

اس کی ایک نقل درکار ہے۔

والسلام مخلص

محمود احمد غازی

بنام: محمد رضا تیمور

۱۹، اکتوبر، ۲۰۰۷ء

برادر مکرم جناب محمد رضا تیمور ایم فل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ جزاکم اللہ!

اس سے خوشی ہوئی کہ آپ کو محاضرات کا یہ سلسلہ پسند آیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کو قارئین کے لیے نافع اور ناچیز مولف کے لیے توشہ آخرت بنائے۔

آپ شوق سے ان کی تلخیص کیجئے۔ مناسب یہ ہو گا کہ پہلے کسی رسالہ میں ایک ایک محاضرہ شائع کرتے رہیے۔ قارئین کے تبصرہ اور رد عمل سے افادیت کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔ اس کام کیلیے گوجرانوالہ کا الشریعہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ اس کے لیے پہلے مولانا زاہد الراشدی سے استمزاج کر لیں۔

والسلام

بنام: شبیر احمد خان میواتی

۰۰-۹-۴

برادر مکرم جناب مولانا شبیر احمد خان صاحب میواتی زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرام نامہ مورخہ ۲۰۰۰،۸،۱۷ء موصول ہوا۔ جزاکم اللہ۔ آپ نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، ان کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ اپنی دعوات صالحہ میں یاد فرماتے رہیں۔

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کے لیے میرے بھی وہی احساسات ہیں جن کا آپ نے اظہار فرمایا ہے ۔اللہ کرے ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

والسلام

مخلص

محمود احمد غازی

بنام: مولانا حیدر علی مینوی

برادر مکرم و محترم جناب مولانا حیدر علی مینوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ میں ایک عرصہ دراز سے آپ کو یہ عریضہ ارسال کرنے کا ارادہ کر رہا تھا، لیکن میرے پاس آپ کا پتہ نہ تھا۔

اگر بہ سہولت ممکن ہو تو استاذ جلیل حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب مینوی رحمہ اللہ کی تالیف جواہر الاصول کے نسخے ارسال فرمادیں۔

میں یہاں اگست کے اوائل تک مقیم ہوں۔ پھر قطر واپس جانا ہے جہاں میں آج کل مقیم ہوں۔

والسلام

نیاز مند

محمود احمد غازی

بنام: نعمت اللہ سومرو

مورخہ، ۲، اکتوبر، ۱۹۹۱ء

برادر مکرم و محترم جناب نعمت اللہ سومرو صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ آپ کا خط مورخہ ۲۱، ستمبر موصول ہوا کہ آپ کے علاقے میں امن و امان کی صورتحال بہت خراب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جلد از ہماری ان مشکلات کو دور فرمادے۔

یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ لوگ شاہ عبد اللطیف لائبریری کے اہتمام میں بہت سے دینی پروگرام منعقد کررہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی یہ تعمیری کوششیں بالآخر نتیجہ خیز ثابت ہوں گی اور آپ اسلام کے پیغام امن ومساوات کو عام کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ اس سلسلے میں اکیڈمی اپنے وسائل کے مطابق آپ کی ہر خدمت کے لیے تیار ہے۔

قطر ٹیلی ویژن کے جس پروگرام کا آپ نے ذکر کیا ہے، وہ پہلے سے اکیڈمی میں موجود ہے اور اس کو اردو میں منتقل کرانے کی تجویز زیر غور ہے۔

والسلام مخلص

محمود احمد غازی

(ا)

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ عالم اسلام کے نامور محقق، مفکر اور سیرت نگار تھے۔ آپ کی علمی، فکری تحقیقی و تصنیفی زندگی تقریباً اسی پچاسی سال کے طویل عرصے پر پھیلی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہؒ کا تعلق خاندان نوائط سے تھا۔ نوائط کا نسبی تعلق عرب کے معزز قبیلے بنوہاشم کی ایک شاخ سے تھا۔ یہ لوگ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ نوائط نے حجاج بن یوسف کے ظلم وستم سے تنگ آکر ہجرت کی اور یہ خاندان جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں پر آکر آباد ہو گیا تھا۔ یہ خاندان اپنی دین داری، شرافت اور علمی رجحانات وخدمات کے لحاظ سے بہت معروف ومشہور ہے۔[27]

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ۱۱۲۶ محرم ۱۳۲۶ ہجری بمطابق ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء بروز چہارشنبہ کو فیل خانہ جو کہ حیدر آباد (دکن) کا قدیم محلہ تھا، میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا نام ابو محمد خلیل اللہ تھا جو کہ مدد گار معتمد مال گزاری حیدر آباد تھے اور والدہ کا نام بی بی سلطان تھا۔ آپ کی پانچ بہنیں اور تین بھائی تھے۔ ایک بھائی کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔ بہنوں کے نام امۃ العزیز بیگم، امۃ الوہاب بیگم، امۃ رقیۃ بیگم، امۃ الصمد بیگم، حبیبۃ الرحمن اور بھائیوں کے نام محمد صبغت اللہ، محمد حبیب اللہ اور محمد غلام احمد ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی تعلیم کا آغاز گھر سے دینی تعلیم سے ہوا۔ ان کی رسم بسم اللہ والد محترم نے پڑھائی۔ کچھ عرصے تک خود بیٹے کو درس دیتے رہے۔ پھر حیدر آباد کی مشہور درس گاہ دارالعلوم میں داخل کرایا جہاں وہ چھٹے درجے تک پڑھتے رہے۔ چھٹی جماعت کے بعد انہیں مدرسہ نظامیہ میں شریک کرایا۔ ایک سال وہ وہاں پڑھتے رہے۔ اس زمانے میں انگریزی تعلیم حاصل کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا، مگر ڈاکٹر حمید اللہؒ انگریزی زبان کی اہمیت سے واقف تھے۔ انہوں نے انگریزی تعلیم اپنے والد صاحب کی اجازت کے بغیر حاصل کرنا شروع کی۔

ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے جامعہ عثمانیہ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۲۸ء میں ڈاکٹر صاحب نے جامعہ عثمانیہ سے فقہ میں بی اے کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۲۰۰ سال تھی۔ ۱۹۳۰ء میں ایم اے کا امتحان درجہ اول میں پاس کیا اور اسی سال ایل ایل بی بھی کر لیا۔ جامعہ عثمانیہ میں تحقیقات علمیہ کے لیے علیحدہ شعبہ ۱۹۳۰۰ء میں قائم کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب اس شعبہ کے پہلے طالب علم تھے۔ ان کی تحقیق کا موضوع "اسلامی ویورپی قانون وبین الممالک کا تقابلی مطالعہ" تھا۔ ایم اے میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہونے پر ڈاکٹر صاحب کو جامعہ عثمانیہ سے دو سال کے لیے ۷۵ روپے ماہوار وظیفہ ملا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے جامعہ عثمانیہ سے درخواست کی کہ انہیں تحقیقی کام کے

لیے مواد جمع کرنے کے لیے بیرون ملک جانے کی اجازت دی جائے اور وہاں ان کا وظیفہ بھی جاری رکھا جائے جو جامعہ عثمانیہ نے قبول کی۔

حصول علم اور تحقیق کا شوق ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کو یورپ لے گیا جہاں کی لائبریریوں اور درس گاہوں سے آپ نے خوب استفادہ کیا۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں جب وہ تحقیقی کام کے سلسلہ میں استنبول میں تھے تو جرمنی کی بون یونیورسٹی کے پروفیسر کرنیکو نے ان کو بون آنے کی دعوت دی۔ جامعہ عثمانیہ نے ان کو اجازت دے دی کہ وہ اپنا مقالہ بون یونیورسٹی کو پیش کرسکتے ہیں۔ بون یونیورسٹی میں قیام کے دوران مخطوطات سے استفادہ کیا۔ برلن میں بعض نادر ونایاب مخطوطات دریافت کیے۔ بون یونیورسٹی میں ۱۹۳۳ء میں ڈاکٹر صاحب نے اپنا تحقیقی مقالہ "اسلام کے بین الاقوامی قانون میں غیر جانب داری" کے موضوع پر پیش کیا۔ اس مقالہ پر آپ کو ڈی فل کی ڈگری عطا کی گئی۔۔ اس کے بعد آپ پیرس آئے۔ ۱۹۳۴ء میں آپ نے پیرس کی مشہور و معروف سوربون یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کے لیے داخلہ لیا۔ ان کے تحقیقی مقالے کا موضوع تھا "عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری"۔ گیارہ مہینے کی قلیل مدت میں مقالہ مکمل کیا اور ۳۱ جنوری ۱۹۳۵ء کو انہیں ڈی لٹ کی سند نہایت اعزاز کے ساتھ عطا کی گئی۔ جرمنی اور فرانس کی جامعات سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کا ارادہ ماسکو یونیورسٹی سے تیسری ڈاکٹریٹ حاصل کرنے کا تھا، لیکن آپ کے وظیفہ کی مدت ختم ہوگئی۔ اعلیٰ ڈگریز کے حصول کے بعد ڈاکٹر صاحب وطن تشریف لائے اور مادر علمی جامعہ عثمانیہ سے وابستہ ہوگئے۔ جہاں وہ دینیات اور اسلامی قانون کی تعلیم دیتے رہے۔ یہ سلسلہ ۱۹۴۸ء تک جاری رہا۔

تقسیم ہند کے بعد ریاست حیدرآباد کا سقوط ہوگیا تو ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے پیرس کو اپنا مستقل رہائشی مقام بنانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے فرانس کے ممتاز ادارے نیشنل سینٹر آف سائنٹیفک ریسرچ National Centre of Scientific Research میں شمولیت اختیار کرلی۔ کچھ عرصہ ترکی میں مہمان پروفیسر کی حیثیت سے تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۷ء میں ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان نے (جو استنبول یونیورسٹی میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر تھے)۔ ڈاکٹر صاحب کو مہمان پروفیسر کی حیثیت سے مدعو کیا۔ ان کے لیکچروں میں طلبہ کے علاوہ تعلیم یافتہ افراد اور دانشوروں کی خاصی تعداد شریک ہوا کرتی تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ڈاکٹر صاحب کے علم و فضل اور سیرت و کردار کی شہرت سارے ملک میں پھیل گئی۔ پچیس برس تک وہ استنابول یونیورسٹی، ارض روم یونیورسٹی اور دیگر جامعات میں مہمان پروفیسر کی حیثیت سے جاتے رہے۔ وہ سال میں تین مہینے ترکی اور باقی ایام

پیرس میں گزارتے تھے۔ یورپ کے قیام کے دوران ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جرمنی اور فرانس کی یونیورسٹیوں میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ پیرس میں آپ نے مستقل قیام کیا۔ وہاں کتب خانوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے آپ پیرس کو بہت پسند کرتے تھے۔ وہاں پر رہتے ہوئے انہوں نے تحقیق کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایک بلند پایہ محقق، عالم دین، ادیب اور داعی اللہ تھے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی تحقیق، تصنیف و تالیف اور اسلام کی خدمت میں صرف کر دی۔ انہوں نے بے شمار علمی خزانہ ورثے میں چھوڑا ہے جو دین اسلام کی ایک بہت بڑی خدمت ہے اور قابل فخر سرمایہ ہے۔ انہوں نے قرآن و حدیث، فقہ و قانون اور سیرت النبی ﷺ جیسے متنوع و مختلف موضوعات پر تقریباً ایک ہزار مقالات اور ایک سو ستر وقیع کتب یادگار چھوڑی ہیں۔ محمد حمید اللہ کا علمی و فکری سرمایہ صرف ان کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب و مقالات تک ہی محدود نہیں رہا۔ ان کے مکاتیب بھی علوم و معارف کا ایک وقیع گنجینہ ہیں۔ ان مکاتیب سے نہ صرف مختلف اسلامی علوم و فنون کے حوالے سے قیمتی و مفید معلومات فراہم ہوتی ہیں بلکہ ان سے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت ان کے اصول زندگانی، ان کے عادات و معمولات اور ان کی گوناگوں دلچسپیوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(2)

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ عالم اسلام کے نامور اسکالر، مفکر اور داعی کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں ہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی علمی و تحقیقی خدمات کے قدردان تھے۔ دونوں صاحبان علم کی علمی دلچسپیاں فقہ اسلامی، اسلام کے قانون بین الممالک اور سیرت طیبہ میں تھیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے نہ صرف ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی علمی مطالعات و تحقیقات سے استفادہ فرمایا بلکہ ان کو متعارف کروانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر غازیؒ صاحب نے ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی وفات پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"مجھے ذاتی طور پر ان سے ملنے کا ۱۹۷۳ء میں نیاز ہوا اور ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے آخری مہینوں تک جاری رہا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کے قلم سے کوئی ایسی تحریر نہیں نکلی جو انہوں نے کبھی اپنے دستخط یا دستخط کے بغیر مجھے اس کے ارسال سے مشرف نہ فرمایا ہو۔ اس دوران میں بار بار ایسے مواقع آئے کہ ڈاکٹر صاحب نے بعض زیر تحقیق معاملے میں مجھے اس کا مستحق سمجھا، اس قابل گردانا کہ مشاورت کا شرف عطا کر سکیں۔"۔[28]

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒنے ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے حوالے سے اپنے تاثرات میں اس بات کا بھی ذکر فرمایا کہ

"ڈاکٹر صاحب کے اس وقت میرے پاس ۱۲۴ خطوط محفوظ اور دستیاب ہیں۔ ممکن ہے کہ کچھ اور خطوط بھی کاغذات سے مل جائیں۔ ان خطوط کو مرتب کرنے کا پروگرام ہے اوران خطوط کی تمہید میں یہ ساری فداشتیں جو ابھی تک حافظے میں ہیں، لکھی نہیں گئیں، استمہید میں لکھنے کا پروگرام ہے۔ بظاہر تمہید بھی ۱۵۰ا۔۲۰۰ صفحے کی ہو گی۔"[29]

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒصاحب نے اپنے نام ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے یہ خطوط کمپوز کروالیے تھے اوراب وہ ان خطوط کا پس منظر بیان کرتے ہوئے تفصیلی حواشی لکھنا چاہتے تھے، مگر بیرونی سفر اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے یہ کام مکمل نہ ہو سکا۔

خط نمبر: ۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۷ ربیع الانور ۱۳۹۴ھ

مکرمی زاد مجد کم

سلام مسنون۔ آپ کا عنایت نامہ کل یہاں پاریس ہو کر آیا۔ ممنون ہوا۔

اگر کسی شخص کو قابل طباعت فرانسیسی آتی ہو اور مصارف طباعت کا بھی انتظام کر سکتا ہو تو:

اَ. عشرہ مبشرہ میں سے ہر ایک کے حالات

ب. حضرت بلال رضی اللہ عنہ، صہیب رضی اللہ عنہ و سلمان فارسی رضی اللہ عنہ میں سے ہر ایک کے حالات

ت. ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے حالات

ث. دیگر ممتاز صحابیات رضی اللہ عنہ نکے حالات

ج. اخلاقی قصے کہانیاں، لطائف، ضرب الامثال

ح. اردو کے شہ کاروں کے ترجمے

خ. تصوف پر اچھی کتابیں جو خلاف شریعت نہ ہوں

غرض آغاز ہے، ابتدائی نوعیت کی کتابیں بھی نو مسلموں اور ان کی اولاد کو درکار ہیں اور بلند پایہ کتابیں بھی، السعی مناوالاتمام من اللہ۔ کار دنیا کسے تمام نکرد۔

مجھے یہاں مئی کے آخر تک رہنا ہے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۲۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۱ / رجب ۱۳۹۴ھ

مکرمی دام لطفکم

سلام مسنون

آج صبح عنایت نامہ ملا، شکر گزار ہوں۔

آپ کا سوال فرانسیسی تالیف کے متعلق ایسا ہے جس کا خود آپ ہی نے جواب دے دیا ہے کہ عبد القدوس صاحب آپ کی مدد فرمانے والے ہیں۔ دوسرے سوال کے سلسلے میں یہ محض حسن ظن ہے کہ فرنگستان میں ہر چیز تیار ملتی ہے، ضرورت بس ایک پوسٹ کارڈ یا ایروگرام کے لکھنے کی ہے۔ یورپ میں مردم شماری کے وقت کبھی مذہب دریافت نہیں کیا جات، کسی کو معلوم نہیں کہ کہاں کتنے مسلمان ہیں۔

کافی عرصہ ہوا پروفیسر ماسین یوں Massignon نے سالنامہ عالم اسلام Annuai nedu monde musulman شائع کرنا شروع کیا تھا۔ اس میں ہر قسم کے معلومات تھے۔ اب تو مؤلف کی وفات بھی ہو چکی ہے۔ معلومات کی "صحت" کا اندازہ اس سے کیجیے کہ انگلستان میں دس بارہ نو مسلم ہیں، فرانس میں ایک بھی نہیں!

فرانس میں آج کل پچیس تیس لاکھ مسلمان ہیں جن میں خاصے نو مسلم بھی ہیں۔ میرے اندازے میں شہر پاریس ہی میں دس ہزار سے کچھ زیادہ نو مسلم ہیں۔ یہاں فی الحال France-Islam نامی ایک فرانسیسی ماہنامہ ہے۔ تین اسلامی انجمنیں قابل ذکر ہیں:

Centre Cultural Islamique,

Amicale des Musulmans

Association des Etudiants Islamiques

انگلستان میں سو سے زائد مسجدیں ہیں۔ پاریس میں اب بارہ پندرہ ہو چلی ہیں۔

انگلستان میں کم از کم نو گرجا مسلمانوں کی مسجدوں کا کام دیتے ہیں تو پاریس میں دو۔ باقی فرانس میں مزید دو کا مجھے علم ہے، مگر ان خبروں کی اشاعت سے ہمیں مشکلیں ہی پیش آئیں گی کیونکہ ہر ملک و قوم میں تنگ نظر اور متعصب لوگ بھی ہوتے ہیں اور وہ شور مچائیں تو روادار لوگ بھی ہاتھ روک لیتے ہیں۔

راوس کے مسلمان کے متعلق کوئی پندرہ بیس سال قبل فرانسسی وزارت خارجہ نے ایک کتاب شائع کی تھی۔ مؤلف کا نام Bennigsen ہے مگر اب اس کا ملنا ممکن نہیں۔

والسلام

محمد حمید اللہ

خط نمبر:۳۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۷/۱۷ محرم ۱۳۹۵ھ

مکرمی

سلام مسنون

عنایت نامہ ملا۔ شکریہ۔ پابہ رکاب ہوں۔

آپ کا سوال مجھے بھایا نہیں۔ کسی بھی موضوع کو لیا جاسکتا ہے، اہمیت عنوان کو نہیں مندرجات کو ہوتی ہے۔ ہر موضوع پر کام ہو سکتا ہے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۴۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۵۲۵ ذوالقعدہ ۱۳۹۶۶ھ

مکرمی دام لطفکم

سلام مسنون۔ عید مبارک

عنایت نامہ ملا اور یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ کی محترم و عزیز ہمشیرہ نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔ میری مبارکباد پہنچائیں، توقع ہے کہ یہ چھٹے (آخری) اڈیشن پر مبنی ہے۔

اگر وہ چاہتی ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں۔ کہ میں بھی ترجمے پر ایک نظر ڈال لوں تو براہ کرم ارسال سے قبل مجھ سے پوچھ لیں۔ اگر وصولی کے زمانے میں، میں پاریس میں نہ رہوں تو بستہ بھیجنے والوں کو واپس ہو جائے گا۔ سمندری ڈاک دو ماہ سے زیادہ لیتی ہے۔

مخلص

محمد حمید اللہ

خط نمبر ۵:۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۶/ محرم ۱۳۹۸ھ

محترمی زاد مجدکم

سلام مسنون

آپ کا عنایت نامہ استنابول والوں کی عنایت سے کل یہاں آیا، شکریہ۔ عزیز آپا جان کو میری مبارک باد فرمائیں۔ میں دو دن میں جرمنی کے سفر پر جارہاہوں۔ دو ایک ہفتوں میں واپس آنے پر مکرر جنوبی فرانس جاناہے۔ فروری میں ترکی کا سفر درپیش ہے۔(اس سال استانبول کی جگہ ارضرِدم کی دعوت آئی ہے) اور وہاں کثیر سرکاری فرائض میں اس کا وقت نہ ملے گا کہ آپا جان کا کام کروں۔ اصل کتاب بھی ساتھ نہ ہوگی (میں اشرف صاحب کو ساتواں اڈیشن تصحیح کے بعد ان کی فرمائش پر بھیج چکاہوں، معلوم نہیں چھپایانہیں) چھٹے اڈیشن میں عربی متن بہت غلط چھپے ہیں۔

ان حالات میں التجاء ہے کہ ساری کتاب ایک ساتھ اس طرح بھیجیں کہ وہ مثلاً جون کے آغاز میں فرانس آئے۔ احتیاطاً پتہ لینڈلیڈی کالکھیے تاکہ میری غیر حاضری میں بھی ڈاکیابستہ پہنچادے۔

خدا کرے آپ سب خیر وعافیت سے ہوں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

LA CONCIRGE

POUR Mr. Hamidullah

R,Rue De Tournan

25006- Paris/ France

خط نمبر:٦٦

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۷/ربیع الانور۱۴۰۰ھ

مخدوم و محترم متعنا اللہ بطول حیاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے اس ناچیز کی جو قدر افزائی اور مہمان نوازی اسلام آباد میں فرمائی، اس پر ممنونیت کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں پاتا۔ حفظکم اللہ وعافاکم۔

بہاولپور کا سفر متعین ہو چکا ہے۔ ان شاء اللہ پاریس س۵ مارچ کو نکلوں گا اور ایک دن کراچی میں آرام لے کر آگے روانہ ہو جاؤں گا۔ ۸۸ تا۲۱۲۱ مارچ وہاں درس ہیں۔ پھر فرانس واپسی ہے۔ ابھی یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آیا مختصر قیام ہی کے لیے سہی، اسلام آباد آسکوں گا۔ سب احباب کو سلام مسنون عرض کرتا ہوں۔

غازی صاحب آپ کے رفیق تھے جن کے ہاں آپ کی ہمراہی میں رات کی دعوت ہوئی تھی۔ بعض چیزیں دریافت کی تھیں جو ذیل مس درج ہیں۔ ان سے فرمادیں تو نوازش ہوگی:

Paul Coudere, Le Caiwdrier مطبوعہ پاریس کے مطابق یہودیوں نے کالدیا والوں سے تقویم لی۔ ان کے مہینے اب یہ ہیں۔

1. Tishre2.Marsahevan 3. Kislew 4. Tebet 5. Sebat 6. Adar

7.Nisan8. Lyar 9. Sivan 10. Tamoug 11. Ab 12. Elul

یہودیوں کی Civil تقویم تِشری کے مہینے سے شروع ہوتی ہے، خزاں میں، اور یہ مہینہ کبھی اکتوبر اور کبھی ستمبر میں آتا ہے کیونکہ مہینے تو قمری ہوتے ہیں لیکن نسی کرکے تیرھواں مہینہ وقتاً فوقتاً آدار کے بعد بڑھاتے ہیں اور یہ زائد مہینہ Veadar کہلاتا ہے۔ مگر مذہبی تقویم میں سال کا آغاز ماہ نیساں سے ہوتا ہے جو مصر سے نکلنے اور دریا عبور کرنے (Peskha) کی یاد سے مربوط ہے۔ نسی کے باعث ماہ نیساں اپریل سے کبھی زیادہ دور نہیں ہوتا۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

خط نمبر ۷:۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۲/۲۱ شعبان ۱۴۰۰ھ

محترمی

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نوازش نامہ ملا۔ مضمون کے ص:۷ پر Rune Genu نہیں Rene Guenon ۔ص:۱ پر عاقل نہیں آکوئیل Aquil قلینڈری نام ہے۔ص ۱ پر اپنے محل میں "کی جگہ "اپنے محل کے قریب۔ص ۳: مشل والی شاں، امیشل مصطفیٰ وال ساں Vichel Valsam ہے۔ص ۵ پر "اس پادری کو چند سال قبل ایک پادری کے قتل کے جرم میں "کو" ایک عورت کے قتل کے جرم "پڑھئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرے لاہور چند سال قبل وہاں کے وزیر اعظم کی صدارت میں دیے ہوئے لیکچر کا خلاصہ کسی کا لکھا ہوا ہے، مگر استدعا ہے کہ شائع نہ فرمائیں۔ آج فرانس میں پوپ کے حکم سے حکومت کی سیاست بدل گئی ہے، تعصب تو عناد اور دشمنی میں مبدل ہو گیا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں پارلیمنٹ نے قانون بنایا ہے کہ جو مسلمان یہاں متوطن ہو گئے ہیں، لیکن اجنبی قومیت کے ساتھ، ان میں ہر سال پینتیس ہزار کو اپنے اصلی وطن کو واپس جانے پر مجبور کیا جائے ۔ اس کا اطلاق خاص کر بیس پچیس لاکھ الجزائریوں پر ہوتا ہے اوران کی جگہ پر تگالیوں کو مزدوری کے لیے بلایا جارہا ہے۔ فرانس میں نو مسلموں کی روز افزوں کثرت سے کلیسا پریشان ہو گیا ہے۔ یہودی اور کمیونسٹ بھی حیران ہیں۔ گذشتہ ہفتے ایک کمیونسٹ اخبار کے ایڈیٹر نے مجھ سے درخواست کی کہ اس کے نامہ نگار کو اس موضوع پر سوالات کا انٹرویو میں جواب دوں۔ میں نے ٹال دیا اورادب سے کہا جامع مسجد کو جا کر وہاں کے ناظم سے پوچھ لو۔

ان حالات میں قطعاً مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ دشمنوں کو معلومات مہیا کیے جائیں۔ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۸۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوشنبہ، ۹۹رمضان المبارک ۱۴۰۰۰ھ

محترمی

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ ملا۔ خیر وعافیت کی اطلاع سے مسرت ہوئی۔

اگر موقع ہو تو الجزائر کے ذمہ دار لوگوں سے کہئے کہ مراکش میں جامع قرویین ہے، تونس میں جامع زیتونہ ہے، مصر میں الازہر، مگر الجزائر میں کوئی اسلامی بڑی درسگاہ نہیں اور الجزائریوں کو اپنے ہمسایوں کے ہاں جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دورِ استعمار میں پیدا شدہ اس خلا کو اب جلد سے جلد پُر کرنا چاہیے کہ آدمی کو پیٹ بھی ہے اور دماغ بھی۔ صرف کسی ایک کھِلائیں تو دوسرا بھوکا مر جائیگا۔

ستمبر کے اواخر تک تو سفر کا کوئی پروگرام نہیں ہے الا ماشاء اللہ۔ آپ کی تشریف آوری سے مسرت ہوگی، لیکن یونیورسٹی کے اساتذہ ابھی گرمائی تعطیلوں میں غائب ہی رہیں گے۔ کوشش فرمایئے کہ کسی اتوار کو یہاں رہیں تاکہ جمعیۃ الطلاب الاسلامیین کے ہفتہ وار اجلاس میں (جو صرف اتوار کو ہو سکتا ہے) تشریف رکھ سکیں اور ان کو مخاطب فرما سکیں۔

رمضان مبارک، یوسف صاحب اور ان کی عزیز اہلیہ کو بھی میرا سلام فرمادیں۔

کیا اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی جلد ع یا م شائع ہوگئی ہیں؟ عرصے سے زیر طبع تھیں۔ جواب کی کوئی جلدی نہیں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر:۹۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۳۲۳ذی القعدہ۱۴۰۰ھ

محترم ومکرم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک ہفتے کی پرواز کے بعد الحمدللہ آج آپ کا عنایت نامہ پہنچ گیا۔ خیر وعافیت کی اطلاع سے مسرت بھی ہوئی اوراطمینان بھی ہوا، خاص کر ترکی کے انقلاب کے باوجود آپ کے لیے ازہر کے سفر کا موقع ملا۔ و الله علی مایشاء قدیر۔

افسوس ہوا کہ آپ پاریس کے کتب خانہ عام کو نہ جاسکے۔ اگر معلوم ہوتا کہ آپ کے رفیق اس میں دشواری محسوس کرتے ہیں تو میں آپ کو ساتھ لے جاتا۔ توپ کاپی سرائے کے سلسلے میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے دست مبارک کے متعلق جب میں نے دریافت کیا تھا تو بتایا گیا تھا کہ جب سلطان محمد فاتحؒ نے استانبول کو فتح کیا، مشہور حدیث نبوی کی حقانیت ثابت کی۔ تو وہاں قیصر روم کے خزانہ خاص الخاص میں یہ مساعد بھی ملا۔ (معلوم نہیں کیوں، اس کو ادب سے دفن کرنے کی جگہ محفوظ رکھا ہے؟) باقی کس حد تک وہ صحیح ہے اور اس کی تاریخ و سرگزشت کیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ جانے۔

آپ کی مجلس کے سرنامہ پر مونا گرام میں "تعاونوا علی البر والتقویٰ" کی آیت پاک کے متعلق ہے۔ (سورہ۵، آیت۲) آپ نے کبھی غور فرمایا کہ یہ کفار سے برتاؤ کے متعلق ہے، "مابین المسلمین" طرز عمل کے لیے نہیں۔ اس آخر کے لیےانما المؤمنون اخوة وغیرہ آیتیں ہیں۔ حدیث میں المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ(تین دن سے قطع مومن نہ کرنا چاہئے وغیرہ)

کیا آپ کو ایک زحمت دے سکتا ہوں؟ لاہور کے محمد اشرف صاحب نے میری کتاب چھاپی ہے۔ وہ یہاں نہیں ملتی۔ اس کی مجھے شدید اور فوری ضرورت ہے۔ کیا وہ اسلام آباد میں مل سکتی ہے؟ اس کا ایک نسخہ ہوائی ڈاک سے، بل کے ساتھ روانہ فرما سکیں تو خوشی کا باعث ہوگا اور ہمیشہ شکر گزار رہوں گا۔ کارلائق سے یاد فرمائیں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۰۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سہ شنبہ، ۴/ ۴ذی الحجہ ۱۴۰۰۰۰ھ

محترم ومکرم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عید مبارک

کتاب ابھی ابھی پہنچ گئی، دلی شکریہ۔

یہ چوری کا ایڈیشن ہے۔ پہلی دفعہ دیکھ رہاہوں۔ اللہ ہم لوگوں کو اسلام فروشی سے بچائے۔ مید بر آں اجازت نہ مانگنے میں اس میں ایک مضرت یہ بھی ہے کہ کتاب کی تازہ تصحیحیں اوراصلاحیں نہیں ہوئی ہیں اور پرانی غلطیاں برقراررہتی ہیں۔

بہر آپ کا دلی شکریہ۔ میں نے کراچی میں ایک رشتہ دار کو لکھ دیاہے کہ کتاب کی قیمت اورڈاک کے مصارف آپ کو منی آرڈر سے بھیج دیں۔

میں ان شاء اللہ عید الاضحیٰ جزیرہ ریونیوں میں گزاروں گا۔ دو ایک دن میں جارہاہوں اور دو ہفتوں میں واپسی ہوگی۔ واللہ المستعان۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

رسائل وجرائد کے تعزیتی شذرے

(۱)

حضرت مولانا غلام رسول خاموش اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن قاسمی کی وفات سے پہلے ملت اسلامیہ، خصوصاً برصغیر کے دینی وعلمی حلقوں کو ایک اور حادثہ سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ یہ تھا ڈاکٹر محمود احمد غازی کے انتقال پر ملال کا حادثہ جو ۲۶ ستمبر ۲۰۱۰ء کو پیش آیا۔ ڈاکٹر صاحب اس دور کے ان ممتاز اہل علم و دانش میں تھے جو پاکستان اور عالم اسلام میں جاری اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش میں اسلام کے ایک وفادار اور جاں باز سپاہی کا کردار ادا کر رہے تھے۔ ویسے تو مختلف اسلامی علوم میں ان کو عبور حاصل تھا، مگر فقہ وہ قانون میں ان کو زبردست مہارت حاصل تھی اور قدیم علمی سرمائے کو جدید اسلوب میں پیش کرنے میں ان کو غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔ وہ پاکستان کے فیڈرل شریعہ عدالت کے جج بھی تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم دینی مدارس میں ہوئی تھی۔ بعد میں انہوں نے یونیورسٹیوں کی ڈگریاں بھی حاصل کیں اور راقم کے اندازے کے مطابق قدیم وجدید کے درمیان توازن قائم رکھنے میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے اور اہل نظر جانتے ہیں کہ اس کا کہنا تو آسان ہے، مگر ہر جزئیہ اور ہر فکر اور ہر تعبیر میں یہ بہت ہی دشوار کام ہے۔

یہ راقم مولانا عیسیٰ منصوری صاحب کا شکر گزار ہے کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کی شخصیت کے بارے میں اپنے تاثرات پر مشتمل مفصل مضمون "الفرقان" میں اشاعت کے لیے ارسال کیا جو اس شمارے میں شامل کیا جارہا ہے۔ دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم ڈاکٹر غازی صاحب کی مغفرت فرمائے، ان کی زندگی بھر کی مساعی کو قبول فرماتے ہوئے ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اوران کے تمام پس ماندگان اور متعلقین و محبین کو صبر واجر عطا فرمائے۔

گزشتہ سال کے آخری دنوں میں مذکورہ بالا تینوں شخصیتوں کے اٹھ جانے سے بلاشبہ بہت بڑی کمی ہوئی ہے۔ اب ہم سب کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ اپنے اسلاف سے خدمت دین کی اس امانت کی وراثت قبول کریں اور اسی اخلاص، استغنا اور عزم و حکمت کے ساتھ کام کو جاری رکھیں۔ محترم قارئین سے ان تینوں حضرات کے لیے دعاؤں اور مسنون طریقے پر ایصال ثواب کے اہتمام کی بھی گزارش ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ(الحشر)

مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی (ماہنامہ الفرقان لکھنو)

(۲)

احقر ۱۶ شوال المکرم کو چنیوٹ جارہا تھا۔ راستے میں مخدوم ومکرم حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم نے فون پر اطلاع دی کہ جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب انتقال کر چکے ہیں۔ ۲ بجے اسلام آباد میں ان کا جنازہ ہو گا۔ اچانک ملنے والی اس خبر سے بہت افسوس ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم با قاعدہ درس نظامی اور عصری تعلیم کے فاضل تھے۔ ان کے والد مرحوم کا حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے خاص تعلق تھا، اس لیے ان کی تربیت اور نشوونما بڑے دین اور علمی ماحول میں ہوئی جس کا اثر ان کی زندگی پر آخر دم تک قائم رہا۔ عصر جدید کے چیلنج اور دور حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر دین کی تبلیغ اور تعلیم وتربیت کے حوالے سے وہ ہمیشہ فکر مند رہے اور انہوں نے ہمیشہ اہل علم کو بھی اس طرف متوجہ کیا۔ اپنی علمی و دینی، فکری صلاحیتوں کی بنیاد پر انہوں نے چیلنجوں کا خوب مقابلہ کیا اور اس محاذ پر اہل علم اور دین کی نمائندگی کی۔ مرحوم بڑے فاضل اور قابل جوہر تھے۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر بہت سا ذخیرہ چھوڑا ہے جو اہل علم کے لیے یقیناً قابل قدر ہے۔ ان کے بعض افکار سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، لیکن جہاں تک ان کے اخلاص اور درد دل کے ساتھ عالم اسلام کے لیے گرانقدر خدمات کا تعلق ہے، اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور پس ماندگان کو صبر واجر سے نوازیں۔

احقر کو ان سے مستفید ہونے کا موقع نہیں ملا، لیکن جو ملاقاتیں ہوئیں، ان کا گہرا نقش اب تک احقر کے قلب پر موجود ہے۔ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور میں ایک دومرتبہ ان سے ملاقات و مجلس ہوئی۔ احکام القرآن کی تقریب میں ان کا خطاب ذی شان بھی سنا۔ اس میں انہوں نے جب آیت قرآنی:

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا (۱۷:۱۶)

میں "أَمَرْنَا" کی وضاحت کی تو سامعین بڑے ہی محظوظ ہوئے۔ بعد میں حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے اپنے خطاب میں ان کی بڑی تعریف فرمائی۔

حضرت والد صاحبؒ سے جب ان کی ملاقات ہوئی تو ان سے بڑے متاثر ہوئے۔ حضرت نے ان سے امام جصاص کے تحریر فرمودہ مقدمہ احکام القرآن کا ذکر فرمایا تو انہوں نے اسلام آباد اسلامی یونیورسٹی میں تلاش کرنے کا وعدہ کیا۔ حضرت والد صاحب سے تاثر ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے بڑے اصرار سے حضرت کو راضی کر کے اسلامی نظریاتی

کونسل کارکن بنایا اور پھر ان کی وفات پر بڑے گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ چند سال قبل احقر ان کی دعوت پر اسلام آباد میں منعقدہ سہ روزہ بین المذاہب کانفرنس میں حاضر ہوا اور ان کا فاضلانہ خطاب بھی سنا۔

ایک مرتبہ جنرل پرویز مشرف کی دعوت پر اسلام آباد میں حضرات علماء کرام تشریف لے گئے۔ احقر بھی حاضر ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے بڑی محبت کا مظاہرہ فرمایا۔ وہ خود بھی صاحب فضل و کمال اور عالم و فاضل تھے، اس لیے اہل علم کے بحد قدر دان تھے۔ ان کے جانے سے علمی اور تحقیقی دنیا میں ایک نیا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرماویں اور اس خلا کو پورا کرنے کی بعد کے حضرات کو توفیق عطا فرمائیں۔

مولانا مفتی عبد القدوس ترمذی

(ماہنامہ الحقانیہ، ساہیوال

(۳)

وفاقی شرعی عدالت کے جج، مجمع الاسلامی کے ممبر، قومی سلامتی کونسل واسلامی نظریاتی کونسل کے سابق رکن، شریعت اپیلٹ کورٹ کے سابق جج اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے سابق صدر ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب ۱۶ شوال المکرم ۱۴۳۱ھ / ۲۶ ستمبر ۲۰۱۰ء کو حرکت قلب بند ہونے سے اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ اناللہ واناالیہ راجعون۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ڈاکٹر صاحبؒ حافظ قرآن،عالم دین، مشہوراسکالر، دینی و دنیاوی علوم کے جامع، اسلامی اصول وضوابط پر مطلع اور درجنوں کتابوں کے مؤلف تھے۔

سن ولادت ۱۸ ستمبر ۱۹۵۰ء ہے۔ مقام ولادت کراچی ہے۔ والد محترم کا نام محمد احمد ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے حفظ وناظرہ کی تعلیم مدرسہ اشرفیہ جیکب لائن کراچی میں قاای حافظ نذیر احمد متوفی ۱۲ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ / ۸ جولائی ۱۹۹۰ء سے حاصل کی۔ اس کے بعد جامعۃ العلوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی میں داخلہ لیااور درس نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ غازی صاحب نے دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں داخلہ لیا اور وہیں سے فراغت پائی اور بانی جامعہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ سے بھی استفادہ کیاجب کہ غازی صاحبؒ نے ۱۹۷۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ چونکہ غازی صاحب دینی و دنیاوی علوم کے جامع ،دینی مدارس وجامعات اوراسکول وکالجز کے اسرار ورموز پر مطلع تھے اور ساتھ ملک وملت کے بھی خیر خواہ تھے، اس لیے غازی صاحب ملک کے درجنوں اداروں کے اہم عہدوں پر فائزرہے اور قومی وملی خدمات سرانجام دیں۔

غازی صاحب نے ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۴ء تک بطوروفاقی وزیر برائے مذہبی امور فرائض سرانجام دیے۔ ۲۰۰۴ء سے ۲۰۰۶ء تک بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے صدررہے جب کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے دور میں اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن اور نواز شریف کے دور میں شریعت اپیلٹ کورٹ کے جج رہے۔ غازی صاحب عرب ممالک کی جدید ڈکشنری مجمع الاسلامی (؟) کے تاحیات ممبر تھے اور یہ واحد مذہبی اسکالر تھے جو غیر عرب تھے۔ ۲۶ مارچ ۲۰۱۰ء کو غازی صاحب وفاقی شرعی عدالت کے جج مقرر ہوئے اور آخری دم تک اس خدمت میں مصروف رہے۔

غازی صاحب کی پوری کوشش تھی کہ دینی مدارس کے علماء کرام کو عصری تعلیم سے روشناس کرائیں اور دینی مدارس کے نظام تعلیم میں اس طرح ردوبدل کیاجائے کہ دینی مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ عصری علوم

کے بھی ماہر ہوں اور غازی صاحب کی نمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ تنقیدی مضامین پر چراغ پا ہونے کی بجائے انتہائی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ان مضامین کو پڑھتے اور خیر مقدم بھی کرتے تھے۔

غازی صاحب کا ایک مضمون ہفت روزہ تکبیر کراچی، شمارہ ۵ فروری ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا تھا اور راقم نے اس مضمون کے بعض اقتباسات پر اپنا اظہار خیال کیا تھا۔ یہ تنقیدی اظہار خیال جب ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی، شمارہ صفر المظفر ۱۴۲۵ھ / اپریل ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا تو غازی صاحب نے فون پر رابطہ فرمایا اور برا ماننے کے بجائے حوصلہ افزائی فرمائی۔ غازی صاحب کی ایک تالیف بنام "مسلمانوں کا دینی و عصری نظام تعلیم" ہے۔ صفحات ۲۵۶ ہیں۔ اس کتاب پر تبصرہ ماہنامہ حق نوائے احتشام، شمارہ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ / مارچ ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کے بعض اقتباسات پر بھی تنقید ہے، لیکن غازی صاحب نے حسب معمول فون پر سلام کلام کیا اور انتہائی مودبانہ و مشفقانہ انداز میں گفتگو فرمائی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ غازی صاحب بے حد وسیع الظرف اور تحقیقی و علمی شخص تھے۔

رجب المرجب ۱۴۲۶ھ / اگست ۲۰۰۵ء کو ہمارے ادارے سے "متاع احتشام الحق" کے نام سے سات سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب منظر عام پر آئی۔ حسب معمول ایک نسخہ غازی صاحب کی خدمت میں بھی بھیجا گیا۔ نسخہ ملنے کے بعد غازی صاحب نے جو خط بھیجا وہ یہ ہے:

برادر مکرم و محترم جناب مولانا حافظ محمد صدیق ارکانی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا پہلا گرامی نامہ چند روز قبل موصول ہوا۔ اس سے خوشی ہوئی کہ آپ اپنے رسالہ کا خصوصی شمارہ شائع کر رہے ہیں۔ ابھی اس کا جواب دینے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ خصوصی شمارہ کی ایک کاپی بھی موصول ہو گئی۔ جزاکم اللہ۔ میری طرف سے مولانا تنویر الحق صاحب کی خدمت میں شکریہ کے جذبات پہنچا دیجیے۔ رسالہ کے مضامین اور تصاویر نے چالیس سال پرانی یادیں تازہ کر دیں۔

والسلام ڈاکٹر محمود احمد غازی

رئیس الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ

اسلام آباد، پاکستان

مورخہ: ۸، اگست ۲۰۰۵ء

غازی صاحب کی متعدد تالیفات ہیں جن میں محاضرات ، قانون بین الممالک ،اسلام اور مغرب تعلقات ،مسلمانوں کا دینی و عصری نظام تعلیم ،اسلامی بنکاری،ایک تعارف، آداب القاضی ، قرآن مجید:ایک تعارف معروف ہیں۔ محاضرات نامی کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد ۱۲ خطاب کا مجموعہ ہے۔

غازی صاحبؒ کو سات زبانوں پر عبور تھا اور پس ماندگان میں ایک بیوہ اور پانچ بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ غازی صاحبؒ کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے،جنت الفردوس میں جگہ عطافرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی دولت سے مالامال کرے۔

مولانا محمد صدیق اراکانی

ماہنامہ حق نوائے احتشام، کراچی

آسمان علم و تحقیق کا ایک درخشندہ ستارہ گزشتہ دنوں اچانک بحر فنا میں ڈوب گیا۔ مسند علم و عرفان کی ایک ایسی شمع یکایک بادِ فنا کی ستم ظریفی سے ہمیشہ ستم ظریفی سے ہمیشہ کے لیے بجھ گئی ہے جس کی تلاش میں کہکشائیں بھی جلائی جائیں تو بھی اس کی تلافی ممکن نہیں۔

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی عالم اسلام اور خصوصاً پاکستان کے لیے بہت بڑا علمی سرمایہ تھے۔ پاکستان اور برصغیر میں آپ کے پائے کے قابل اور فاضل افراد گنے چنے ہی نہیں بلکہ ایک دوافراد ہی ہیں۔ جناب ڈاکٹر صاحب کی علمی، تحقیقی، فنی، ادبی اور تعلیمی خدمات اتنی زیادہ اور وسیع ہیں کہ ان کا احاطہ ایک طالب علم کے بس کی بات نہیں۔

یقیناً ڈاکٹر صاحب اس وقت علم و تحقیق کے میدان میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے بعد بہت نمایاں مقام پر فائز تھے۔ آپ کچھ عرصے میں اداروں اور کیڈمیوں کا کام کر گئے۔ طبیعت میں تواضع کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کم گوئی اور خاموشی آپ کی نمایاں خصوصیت تھیں اور علمی نخوت و تکبر سے بھی آپ کوسوں دور تھے۔

آپ اگرچہ جدید علوم وفنون میں ممتاز تھے اورآپ پر عصر حاضر کے رنگ کا عکس بھی کافی گہرا پڑ چکا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم وفنون پر بھی آپ کی دسترس کسی شیخ اور کسی دینی وعلمی مستند ترین شخصیت سے کم نہیں تھی۔

آپ ایک ایسے دریا کی مانند تھے جس میں قدیم وجدید دونوں علوم پانی کی مانند جمع تھے اور ایسا علمی خزانہ تھے جو جمع ہونے کی بجائے خود کو خرچ کرنے پر ترجیح دیتے تھے۔ دراصل آپ کی بنیاد ہی اسلامی مدرسے سے بنی تھی اور علوم شرعیہ میں کمال بھی آپ نے کراچی کے ایک بڑے علمی ادارے سے حاصل کیا تھا۔ پھر بعد میں اپنی جدت پسند اور خداداد صلاحیتوں سے آپ ترقی کرتے کرتے علم وعرفان کے بلند ترین مسانید پر فائز ہوگئے۔ آپ کے قیمتی قلم سے کئی علمی اور تحقیقی ضخیم کتابیں منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئیں اورآپ کے پر مغز علمی مقالات، تقاریر، علمی سیمیناروں کی جان ہوا کرتے تھے۔ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کے صدر اور فیصل مسجد کی خطابت بھی آپ نے کئی

برس تک کی۔ اس کے علاوہ دیگر کئی علمی و تحقیقی اداروں کے آپ رئیس رہے اور کافی عرصہ وفاقی وزیر مذہبی امور پاکستان بھی آپ رہے۔ اس وقت آپ وفاقی شرعی عدالت کے معزز جج کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

پاکستان جو پہلے ہی مفلسی اور غربت کے ہاتھوں گھرا ہوا ہے اور اس کا تعلیمی اور علمی سرمایہ بھی آہستہ آہستہ گھٹتا چلا جارہا ہے، اب ڈاکٹر صاحب جیسی قیمتی شخصیت کے اٹھ جانے کے باعث تو علمی و تحقیقی مفلسی بھی پاکستان کے حصے میں آگئی ہے۔ تعلیمی انحطاط روز بروز بڑھتا چلا جارہا ہے۔ درسگاہیں ویران، حقیقی طالب علم ناپید اور اساتذہ و پروفیسر علم وادب سے بے خبر۔ ایسے ماحول اور ایسے ملک میں آپ جیسے عظیم، معلم، استاد، مفکر اور محقق کا بچھڑ جانا مزید گہرے صدمے کے باعث ہے۔ اب تو پورے ملک میں لے دے کر چند ہی نابغے باقی ہیں۔ اللہ انہیں اپنے حفظ وامان میں رکھے اور ڈاکٹر صاحب کے مقامات اعلیٰ علیین میں مقرر فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مولانا راشد الحق حقانی

(ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک)

(۵)

ملک کی بے حد قابل احترام اور وقیع علمی شخصیت، جسٹس وفاقی شرعی عدالت اور سابق صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ وطن عزیز کی ان ہستیوں میں شامل تھے جو بین الاقوامی سطح پر پاکستان کی پہچان تھے، اس کے علمی مقام و مرتبہ کی شناخت تھے۔ وہ دینی اور جدید و قدیم علوم کے ایسے عظیم اسکالر تھے جن پر کوئی بھی قوم فخر کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سے اعزازات سے نوازا تھا۔ وہ کئی ایک قومی و ملی اور علمی و تدریسی مناصب پر فائز رہے اور ہر جگہ سزاوار احترام ٹھہرے۔ وہ تحریر و تقریر دونوں ہی میدانوں کے شہسوار تھے۔ ان کی تصنیف کردہ کتب علم کا ایسا خزینہ ہیں جن سے آنے والی نسلیں مدت مدید تک استفادہ کرتی رہیں گی۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے اچانک سانحہ ارتحال سے اسلامی، علمی اور قومی و ملی حلقوں میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ ایسا خلا جسے قدرت الٰہیہ فوری طور پر پُر کر دے تو کوئی بعید نہیں۔ وماذلک علی اللہ بعبعید۔ بظاہر ایسا ممکن نظر نہیں آتا۔ ہم قحط الرجال کے جس بدترین دور سے گزر رہے ہیں، ڈاکٹر محمود احمد غازی کی رحلت نے اس کی شدت میں کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی مغفرت تامہ کے لیے دست بدعا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات کو قبول فرمائے اور ان کی بشری لغزشوں سے درگزر فرماتے ہوئے ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ انہیں انبیاء واتقیاء اور صلحاء کی معیت نصیب ہو اور ان کی اخروی زندگی ان کی اس حیات مستعار سے کہیں زیادہ قابل رشک ٹھہرے۔ آمین۔ ہم ان کے سبھی لواحقین بالخصوص ان کے برادر گرامی جناب ڈاکٹر محمد الغزالی سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے ان کے لیے صبر جمیل کے طالب ہیں۔

ڈاکٹر زاہد اشرف

(ماہنامہ المنبر، فیصل آباد)

(۶)

۲۶ ستمبر کو معروف اسکالر، علمی وادبی اور تحقیقی کاز کے حوالے سے جدید و قدیم علوم کے متبحر عالم دین، اسلامی یونیورسٹی کے سابق صدر، سابق وفاقی وزیر مذہبی امور و سابق خطیب فیصل مسجد ،وفاقی شرعی عدالت کے جج،ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ بھی حرکت قلب بند ہونے سے راہی جنت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ ایک وسیع المطالعہ شخصیت تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک مقصد متعین کیا اور بھرپور استقامت اور عزیمت کے ساتھ اس مقصد کے حصول کے لیے اپنی پوری زندگی بسر کر دی۔ وہ جدید اور قدیم علوم پر گہری نظر رکھتے اور اپنی بات بڑے سلیقے سے کہنے کا ہنر جانتے تھے۔ ہمارے ہاں بہت کم لوگ اتنے شستہ اور اتنے اعلیٰ اسلوب میں اپنا مدعا بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ میری سب سے پہلی ملاقات مولانا سید چراغ الدین شاہ صاحب کے مدرسہ کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں ہوئی۔ میں جلسہ گاہ میں پہنچا تو ایک عالمانہ ، فاضلانہ خطاب شروع تھا۔ خطیب کی اردو سے علم وادب چھلکتا تھا، جگہ جگہ قرآن کی آیات سے استدلال، احادیث سے استشہاد اور متنبی اور حماسہ کے عربی اشعار بھی بطور دلیل پیش کیے جارہے تھے۔ میں نے دریافت کیا ،خطیب کون ہیں؟ بتایا گیا کہ مرکزی وزیر جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی ہیں۔ اسی شام دستر خوان پر اکھٹے بیٹھے اور چند لمحوں میں موصوف بے تکلف ہو گئے۔ مجھے اس روز اس پر اور زیادہ خوشی ہوئی کہ موصوف میری اکثر کتابوں کو جانتے بھی تھے، مطالعہ بھی کیا تھا اور انہیں میری بعض جدید کتب کی طلب بھی تھی۔ انہوں نے کئی بار جامعہ ابوہریرہ آنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ ماہنامہ القاسم کو شوق سے دیکھتے بلکہ فرماتے کہ میں اس کے انتظار میں رہتا ہوں۔

گزشتہ کئی سالوں سے ان کے علمی افادات بھی منظر عام پر آنے لگے۔ قرآنیات ،احادیث اور فقہ پر ان کے علمی لیکچرز ان کے وسیع و عمیق مطالعہ اور علم و تحقیق کا مظہر ہیں۔ ان کے خطبات، محاضرات قرآن، محاضرات حدیث، محاضرات سیرت سے دین اور مطالعاتی حلقوں میں ان کا علمی مقام بہت بڑھ گیا تھا۔ بلاشبہ وہ اسلام اور پاکستان کے سلسلہ میں مخلص تھے۔ ان کے سانحہ ارتحال سے ہم بہت مخلص خادم علم، خادم اسلام اور خادم پاکستان سے محروم ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماوے اور ان سے جو فائدہ مسلمانوں کو پہنچ رہا تھا وہ پہنچتا رہے اور اگر ان سے کوتاہیاں ہوئی تھیں، اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

مولانا عبدالقیوم حقانی (ماہنامہ القاسم،نوشہرہ)

(۷)

ممتاز محقق اورعالم دین، اسٹیٹ بینک کے شعبے کے چیئرمین، سابق ڈائریکٹر دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی کے سابق سربراہ اور فیصل مسجد اسلام آباد کے سابق خطیب ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے۔ علمی حلقوں میں ان کی جدائی کی خبر سے انتہائی صدمے کی کیفیت طاری ہے۔ آپ کاندھلہ کے علمی خانوادے کا تسلسل تھے۔ آپ کی غیر معمولی قابلیت، تحقیق اور وسعت خیالی نے آپ کو ہر طبقے میں ہر دلعزیز بنا رکھا تھا۔ جس انداز میں مدارس کے ساتھ آپ کا مسلسل رابطہ اور محبت بھرا تعلق تھا، بالکل اسی طرح ملکی اور غیر ملکی یونیورسٹیوں اور حکومتی اداروں میں بھی آپ کی بے انتہاء پذیرائی تھی۔ سابق صدر ضیاء الحق نے آپ کی قابلیت کی بنا پر آپ کو اپنا ترجمان بنایا تھا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت نے بھی انہیں اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر بنانے کے ساتھ اہم ذمہ داریاں تفویض کر رکھی تھیں۔ نواز شریف نے اپنے دور حکومت میں انہیں وفاقی شرعی عدالت کا جج اپائنٹ کیا۔ سابق صدر پرویز مشرف نے انہیں وفاقی مذہبی امور کا وزیر بنایا جس سے ان کی موافقت نہ ہو سکی اور جلد ہی انہیں اس سے الگ ہونا پڑا۔

آپ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے سب سے کامیاب اور ہر دلعزیز سربراہ رہے۔ آپ کے زمانے میں یونیورسٹی کے ماحول میں اسلامی ثقافت کا رنگ غالب رہا۔ آپ نے گو پردے کو قانونی حیثیت تو نہ دی، لیکن اس زمانے میں نوجوان لڑکیوں میں اسلامی لباس کا رجحان ترقی کرتا رہا۔ دعوۃ اکیڈمی بھی آپ کی ڈائریکٹر شپ میں ہی منظم اور فعال ادارے کے طور پر سامنے آئی تھی۔ آج دعوۃ اکیڈمی کے مفید پروگرامز اور ہمہ جہت کارکردگی میں ڈاکٹر صاحب کی خصوصی توجہ کا بڑا دخل ہے۔ ہر محقق علمی شخصیت کی طرح آپ کے نقاد بھی موجود رہے۔ خاص طور پر پرویز دور میں عہدہ قبول کرنے پر ان پر بہت تنقید ہوئی۔ خاص طور پر ممتاز محقق محمد موسیٰ بھٹو نے اس حوالے سے خصوصی مکاتبت فرمائی تھی جو ان کی کتاب میں شائع ہو چکی ہے۔ ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ اپنے اسلاف کی طرح تحمل اور تواضع کے پیکر تھے۔ کسی موقع پر وہ تنقید کی وجہ سے اشتعال کا شکار نہ ہوئے۔ حفظ مراتب کے ساتھ باسلیقہ گفتگو کا اللہ تعالیٰ نے انہیں خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ موصوف کو اردو کے علاوہ عربی اور انگریزی تحریر و تکلم پر یکساں عبور تھا۔

عالمی کانفرنسوں اور سیمینارز میں کسی بھی زبان میں بے تکلف گفتگو ان کا طرہ امتیاز تھی۔ موصوف نے

جدت پسندی کے نام پر اجماع سے ہٹے ہوئے نظریات کا ہمیشہ مردانہ وار مقابلہ کیا۔ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ہمیشہ فکر مند رہتے۔ قرآن و حدیث کے علاوہ سیرت، فقہ اور خصوصیت سے فقہ المعاملات میں خصوصی درک رکھتے تھے۔ ان کے محاضرات (لیکچرز) سیرت، فقہ اور معیشت چھپ کر داد و تحسین وصول کر چکے ہیں۔ ملک کی کوئی اہم لائبریری نہ ہوگی جس میں ان کی کتب کو خصوصیت سے جگہ نہ دی جاتی ہو۔ کراچی کے معروف علمی ادارہ جامعۃ الرشید کے زیر نگرانی قضا کورس میں انہوں نے جو ساڑھے چار گھنٹے پر مغز بیان کیا تھا، اسے لازوال شہرت ملی تھی۔ یہ بیان پاکستان بھر کے نامور دارالافتاؤں کے جید مفتیان کرام کے سامنے کیا گیا تھا جسے اس کی روانی، ٹھوس استدلال اور جامعیت کی وجہ سے بے حد پسند کیا گیا تھا۔ جامعۃ الرشید کے سالانہ کنونشن میں ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر تقریباً آٹھ ہزار سامعین کے سامنے انہیں دو لاکھ کتابوں پر مشتمل ڈیجیٹل لائبریری اور لیپ ٹاپ دیا گیا تھا۔ ان کی علمی قابلیت کی وجہ سے انہیں مختلف نصابوں کی تشکیل میں شریک کیا جاتا رہا ہے۔

گزشتہ کچھ زمانے سے وہ قطر میں خدمات انجام دے رہے تھے اور گاہے گاہے اسلام آباد، کراچی اور لاہور بھی چکر لگاتے تھے۔ اس بار اسلام آباد میں قیام کے دوران انہیں دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا اور داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ احادیث میں یہ مضمون موجود ہے کہ قیامت کے قریب جہالت کا غلبہ ہوگا اور علم اٹھالیا جائے گا۔ علم اٹھانے کی صورت یہ ہوگی کہ زمانے کے نبض شناس علما کو اٹھالیا جائے گا۔ اس وقت ہم کسی ایسی ہی صورت حال کا شکار ہیں یا انہیں ٹارگٹ کلنگ کے ذریعے شہید کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جہالت کے عذاب سے محفوظ رکھیں۔ ان کی علمی خدمات اور عملی جدوجہد یقیناً اس قابل ہے کہ ہر پاکستانی ان پر رشک کرے، ان سے استفادہ کرے اور امید رکھے کہ جس اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا عملی کام کرنے کا موقع عنایت کیا، وہ ان لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر کے انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں۔ ان کے درجات بلند فرمائیں اور اپنی عادت کے مطابق قحط الرجال کے اس دور میں نئے رجال عطا فرمائیں۔ آمین۔

ہفتہ روزہ "ضرب مؤمن" کراچی

(۸)

یہ خبر دل ودماغ پر بجلی بن کر گری کہ سابق وفاقی وزیر مذہبی امور اوروفاقی شرعی عدالت کے جج ،مایہ ناز استاد، محقق اوردانش ور مولاناڈاکٹر محمود احمد غازی ۲۶ ستمبر کو دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اناللہ واناالیہ راجعون۔ اسلامی تعلیمات کے حوالے سے جن چند گنے چنے لوگوں کو سنجیدہ غوروفکر اوراعلیٰ درجے کا افہام اللہ تعالیٰ نے عطافرمایاہے، ڈاکٹر محمود احمد غازی اسی عمدہ جماعت کے فرد فرید تھے۔ پاکستان میں ان کے نام اورکام کو جاننے والے دسیوں،ہزاروں لوگ ہیں توبیرون ملک بھی ان کے قدردانوں کی کمی نہیں۔ڈاکٹر محمود غازی اپنے علم و فضل کی گہرائی اور مزاج کی شرافت اورمتانت کے حوالے سے اپنا ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ اب جب کہ سنجیدہ غوروفکر کرنے والے لوگ علمی حلقوں میں دن بدن کم ہوتے جارہے ہیں،ڈاکٹر محمود غازی کے جانے سے یہ کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔

ڈاکٹر صااحب مرحوم ۲۰۰۲ء تا۲۰۰۴ءوفاقی وزیر مذہبی امور رہے۔ انہوں نے حکومت میں رہتے ہوئے پرویز مشرف کے دینی مدارس کے نصاب ونظام تعلیم کے خلاف ناپاک منصوبوں کو جس حکمت سے ناکام بنایا،وہ ان کے اخلاص کا غماز ہے۔ وزارت سے سبکدوشی ان کے اسی "جرم" کی سزا تھی۔ ۲۰۱۰ء میں انہیں وفاقی شرعی عدالت کا جج مقرر کیا گیا۔ انہوں نے چالیس سے زائد ممالک کے سفر کیے،اندرون وبیرون ملک مختلف موضوعات پر ہونے والی ایک سوسے زائد کانفرنسوں میں شرکت کی۔ اسلامی قوانین،اسلامی تعلیم،اسلامی معیشت اوراسلامی تاریخ سے متعلق اردو،انگریزی ،عربی میں تیس سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔ قادیانیت کے رد میں ایک مستقل کتاب انگریزی میں تحریر کی۔ وہ اپنی شاندار زندگی کا سفر ساٹھ سال میں مکمل کرکے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔

غم کی اس گھڑی میں مجلس احراراسلام پاکستان کے امیر حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری، سیکرٹری جنزل عبداللطیف خالد چیمہ ، مدیر نقیب ختم نبوت سید محمد کفیل بخاری اورراقم ،مرحوم ڈاکٹر صاحب کے اہل خانہ اوران کے بھائی ڈاکٹر محمد الغزالی سے تعزیت مسنونہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پس ماندگان کو صبر جمیل عطافرمائے اورڈاکٹر صاحب کے درجات بلند فرمائے۔ دین اسلام کے حوالے سے ان کی کوششوں کوشرف قبولیت بخشے۔ آمین

محمد عابد مسعود ڈوگر (ماہنامہ نقیب ختم نبوت،ملتان)

حوالہ جات باب پنجم

[1]۔ ماہنامہ الشریعہ، جنوری فروری،۲۰۱۱ء، ص۵۶۸

[2]۔ انٹرویو بذریعہ ٹیلی فون مورخہ ۱۰ اپریل، ۲۰۱۳ء

[3]۔ ڈاکٹر غازی، محمود احمد۔ خطبات کراچی، ص۸

[4]۔ ششماہی السیرۃ عالمی فروری ۲۰۱۱ء، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ص۳۸۸

[5]۔ ماہنامہ الشریعہ، جنوری فروری،۲۰۱۱ء، ص۵۶۸

[6]۔ ماہنامہ الشریعہ، جنوری فروری،۲۰۱۱ء، ص۵۸۳

[7]۔ ماہنامہ الشریعہ، جنوری فروری،۲۰۱۱ء، ص۵۷۹

[8]۔ ماہنامہ الشریعہ، جنوری فروری،۲۰۱۱ء، ص۵۸۰

[9]۔ عہد حاضر کی شخصیات میری نظر میں، ص۳۸۵

[10]۔ عہد حاضر کی شخصیات میری نظر میں، ص۳۸۸

[11]۔ ماہنامہ دعوۃ، دعوۃ اکیڈمی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ص۱۶۸

[12]۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی، ۲۸ ستمبر ۲۰۱۰ء

[13]۔ ماہنامہ الشریعہ، جنوری فروری،۲۰۱۱ء، ص۱۲۳

[14]۔ ۱۹۹۹ء میں شش ماہی السیرۃ کے اجرا کے موقع پر اہل علم کو خطوط لکھے گئے تھے۔ بعض حضرات کو یاد دہانی کے لیے اس کی نقل مکرر روانہ کی گئی تھی۔ یہ خط اس کے جواب ہی موصول ہوا تھا۔

[15]۔ سید سعید احمد شاہ صاحب ادارہ تحقیقات اسلامی میں ناظم مطبوعات تھے۔ یونیورسٹی کی نہایت قابل احترام بزرگ شخصیات میں شمار ہوتے تھے۔ دادا جان مولانا سید زوار حسین شاہؒ سے بیعت تھے۔ اسی نسبت سے ڈاکٹر صاحب نے خط میں ان کا تذکرہ کیا تھا۔

[16]۔ ان دنوں السیرۃ کا چوتھا شمارہ شائع ہوا تھا جو ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا۔

[17]۔ حج کے معاملات اور وزارت مذہبی امور کے زیر اہتمام ہر سال منعقد ہونے والی سیرت کانفرنس کے بعض امور کی جانب ڈاکٹر صاحب کی توجہ دلائی تھی۔ اس کے جواب میں ان کے دفتر سے یہ خط موصول ہوا۔

[18]۔ راقم نے ایک تقریب میں سیرت نگاری پر ایک گفتگو کی تھی جو اس وقت شائع نہیں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریک پر یہ مضمون شائع آنے کی ہمت ہوئی اور یہ مضمون "مطالعہ سیرت کی وسعت، براعظم پاک وہند" کے عنوان سے شش ماہی السیرۃ کے شمارہ نمبر ۱۸ میں شائع ہوا ہے۔

[19]۔ان محاضرات کے عنوانات ہیں: مطالعہ سیرت پاک و ہند میں۔ مطالعہ سیرت دور جدید میں۔ مطالعہ سیرت مستقبل کی ممکنہ جہتیں۔ یہ مجموعہ محاضرات سیرت کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔

[20]۔ڈاکٹر صاحب ایک پروگرام میں کراچی تشریف لائے تو ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفیؒ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔ پھر راقم ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کشفی صاحب کے ہاں حاضر ہوا تھا۔ اس کا ذکر ہے۔

[21]۔ان دنوں ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد میں ڈاکٹر صاحب کے محاضرات سیرت جاری تھے، اس کا ذکر ہے۔

[22]۔ تقریر جامعۃ الرشید کراچی کی گئی تھی اور اپنے موضوع پر نہایت مفصل تقریر تھی۔ یہ پہلے دو اقساط میں ماہنامہ تعمیر افکار کراچی کے جنوری، فروری ۲۰۱۰ء کے شماروں میں شائع ہوئی تھی۔ بعد میں اسے کتابی شکل میں ''اسلامی بینکاری۔ ایک تعارف'' کے عنوان سے دارالعلم والتحقیق کی طرف سے شائع کیا گیا۔(صفحات ۱۱۱۔مارچ ۲۰۱۰ء)

[23]۔ڈاکٹر صاحب کے یہ چھے محاضرات راقم نے مرتب کیے تھے۔ ان کی اشاعت میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔ مجموعہ ''اسلام اور مغرب تعلقات'' کے عنوان سے دسمبر ۲۰۰۹ء میں دارالعلم والتحقیق سے شائع ہوا۔(صفحات ۲۲۱)

[24]۔ یہ خط راقم کے نام ڈاکٹر صاحب کا آخری خط ثابت ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کی عربی کتاب تاریخ الحرکۃ المجدیۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت سے ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے اسکے کچھ نسخے ذاتی طور پر خریدنے کا عندیہ ظاہر کیا تو راقم نے دو نسخے حاصل کر کے ارسال کر دیئے تھے۔ ان کی رقم کی ادائیگی کے لیے ڈاکٹر صاحب مصر تھے۔ راقم نے عرض کیا کہ عند الملاقات وصول کر لوں گا، اس کی فکر نہ فرمائیں۔ ۱۴، ستمبر کو ڈاکٹر صاحب اسٹیٹ بینک کے شریعہ ایڈوائزری ورڈ کی میٹنگ میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ یہ میٹنگ ۱۵، ستمبر کو تھی۔ اسی روز وہاں سے فراغت کے بعد ڈاکٹر صاحب کی ائیر پورٹ روانگی تھی۔ ان کا حکم ہوا کہ میں اسٹیٹ بنک میں ہی مل لو۔ اس لیے وہاں جانا ہوں جس کا خط میں ذکر ہے اور راقم کو رقم کی ادائیگی وہ ذاتی کام تھا جس پر ڈاکٹر صاحب معذرت کر رہے ہیں۔ اللہ اکبر!

[25]۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ خطبہ ان کی سلسلہ محاضرات کی آخری کتاب ''محاضرات معیشت و تجارت'' کا ابتدائی خطبہ ہے جس میں معیشت کی قرآنی ہدایات پر گفتگو کی گئی ہے۔ راقم نے ان میں چند حوالوں کا اضافہ کر کے اسی ملاقات ہی میں مضمون ڈاکٹر صاحب کو پیش کیا تھا تاکہ وہ ایک نظر اسے ملاحظہ فرمالیں۔ یہ خطبہ ان شاء اللہ ماہنامہ تعمیر افکار کے قرآن نمبر میں شائع ہو گا۔

[26]۔بشکریہ سہ ماہی الزبیر، بہاولپور، شمارہ ۳، ۲۰۰۶ء، ص ۲۸۹

[27]۔ عمری، محمد یوسف کوکن، مولانا، خانوادہ قاضی بدرالدولہ، دارالتصنیف مدراس، ۱۹۶۳ء، ج ۱/ص ۲۱۔۲۲

یوسف کوکن نے قاضی بدرالدولہ کے خاندان اور ان کے علمی کارناموں سے متعلق دو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب "خانوادہ قاضی بدرالدولہ" کے نام سے لکھی ہے۔ وہ اپنی اس کتاب میں نائطی خاندان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قاضی بدرالدولہ کا خاندان نائطی کہلاتا ہے جو اپنے حسب ونسب، عزوشرف، دینی ودنیوی وجاہت اور خصوصی رسم ورواج کے لحاظ سے خاص کر جنوبی ہند میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ نوائط جمع ہے نائط کی اور یہ لفظ "ط" اور "ت" کے ساتھ دونوں طرح لکھا جاتا ہے۔ قدیم مؤرخین اور تذکرہ نگار "ت" سے ہی لکھا کرتے تھے"۔

[28]۔ غازی، محمود احمد،ڈاکٹر، علم وعمل کا پیکر۔ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ درششماہی معارف اسلامی ،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد،۲۰۰۳ء، جلد ۲ شمارہ ۲، ص ۳۹۵

[29]۔ ایضاً